احادیثِ زیارت کی صحت پر ناقابلِ تردید دلائل

زیارتِ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

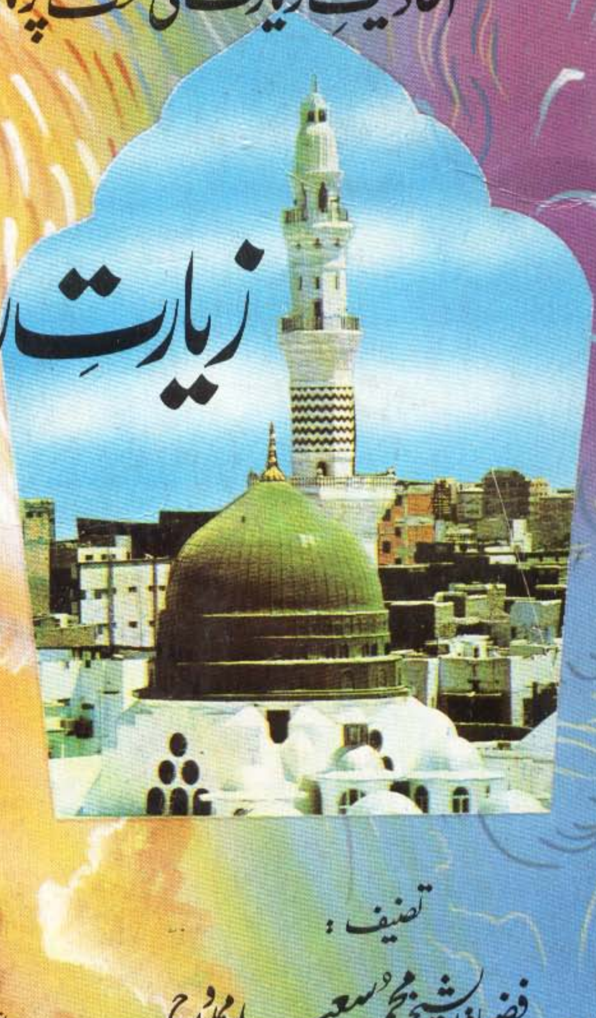

تصنیف:
فضیلۃ الشیخ محمود سعید ممدوح

ترجمہ:
علامہ محمد عباس رضوی

عالمی دعوتِ اسلامیہ
۱- فصیح روڈ، اسلامیہ پارک لاہور

نام کتاب ——— رفع المنارہ لتخریج احادیث التوسل والزیارۃ

تصنیف ——— شیخ محمود سعید ممدوح (دبی)

ترجمہ کا نام ——— زیارت روضۂ رسول

مترجم ——— علامہ محمد عباس رضوی (گوجرانوالہ)
ممبر مرکز تحقیقاتِ اسلامیہ

ابتدائیہ ——— مفتی محمد خاں قادری

طابع ——— محبوب الرسول قادری

اشاعت بار اوّل ——— دسمبر ۱۹۹۷

ناشر ——— مرکز تحقیقات اسلامیہ

فہرست

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
10	ابتدائیہ	۱
16	زیارت قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور آئمہ اُمت	۲
17	شارح مسلم امام نووی	۳
18	امام ابن الہمام حنفی	۴
28	قرآنِ حکیم اور مسئلہ زیارتِ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۵
34	علامہ ابوبکر المراغی کی گفتگو	۶
36	عموم آیت پر شیخ محمد بن صالح کا اعتراض	۷
36	شیخ عثیمین کے اعتراض کا تجزیہ	۸
37	کلمہ "اذ" مستقبل کے لیے بھی آتا ہے۔	۹
38	وصال کے بعد آپ کے بخشش کی سفارش کرنے پر دلائل	۱۰
38	انبیاء قبور میں زندہ ہیں۔	۱۱
39	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا۔	۱۲
40	آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کو جماعت کروائی۔	۱۳
40	تمہارے بُرے اعمال پر میں بخشش طلب کروں گا۔	۱۴
41	آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء مغفرت ہر مسلمان کو حاصل ہے۔	۱۵
42	اعتبار سبب کا نہیں بلکہ عموم الفاظ کا کیا جاتا ہے۔	۱۶

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
42	تفاسیر اور کتبِ مناسک کی استدلال پر تائید	۱۷
44	تمام امت کے نیک اعمال کا اجر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی پا رہے ہیں۔	۱۸
47	احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور زیارت نبوی۔	۱۹
49	تنبیہ	۲۰
51	فائدہ	۲۱
54	زیارت اور اجماع امت	۲۲
56	کلام آئمہ کی غلط تاویل اور اس کا رد	۲۳
56	ایک لاکھ نماز کا ثواب چھوڑ کر ہزار نماز کا ثواب لینے کون جاتا ہے۔	۲۴
57	کیا مسجدِ نبوی کی طرح مسجد اقصیٰ کا بھی قصد کیا جاتا ہے۔	۲۵
59	لا تشد الرحال کا صحیح مفہوم	۲۶
59	الحافظ الامام ابن حجر عسقلانی	۲۷
60	امام حافظ ابو زرعہ العراقی	۲۸
60	حافظ صلاح الدین خلیل بن کیکلدی العلائی۔	۲۹
61	ابنِ تیمیہ کی سب سے بڑی دلیل کا تفصیلی رد	۳۰
61	مسلمہ نحوی قاعدہ	۳۱
64	حدیث سے اس معنی کی تائید	۳۲
64	علامہ کرمانی	۳۳
65	حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی (فتح الباری ۴/۶۶) میں فرماتے ہیں۔	۳۴
66	روضہ اطہر کائنات کی تمام جگہوں سے افضل ہے۔	۳۵
67	حضرت امام قاضی عیاض الشفاء میں فرماتے ہیں۔	۳۶

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
68	دوسری وجہ	۳۷
68	سفر مطلوب کے دونوں اسباب زیارت نبوی میں ہیں۔	۳۸
70	کسی جگہ کی تعظیم کے لیے سفر منع ہے۔	۳۹
70	اہم نوٹ	۴۰
71	تیسری وجہ	۴۱
71	امام ابن بطال نے فرمایا	۴۲
71	امام ابو سلیمان الخطابی فرماتے ہیں۔	۴۳
73	امام نووی نے فرمایا	۴۴
73	امام ابن بطال نے فرمایا	۴۵
73	امام نووی فرماتے ہیں	۴۶
74	امام ابو محمد ابن قدامہ المقدسی الحنبلی فرماتے ہیں	۴۷
75	امام الحرمین نے فرمایا۔	۴۸
75	نذر پر محمول کرنے والوں کے دلائل۔	۴۹
76	مسجد قبا میں دو رکعتیں بیت المقدس کے سفر سے افضل ہیں۔	۵۰
77	مسجد قبا دنیا کے کسی کنارے پر بھی ہوتی ہم پھر بھی زیارت کے لئے جاتے۔	۵۱
77	حضرت عمر راوی ہونے کے باوجود یہ فرما رہے ہیں۔	۵۲
78	حضرت ابو ہریرہ نے راوی ہونے کے باوجود طور کا سفر کیا۔	۵۳
80	تخریج احادیث المزیادہ	۵۴
83	انہیں مجہول قرار دینا مردود ہے	۵۵

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
83	پندرہ راویوں کی روایت کے بعد بھی جہالت	۵۶
84	راوی مستور الحال بھی نہیں	۵۷
84	ابن عبد الہادی کا جواب	۵۸
86	جواب کا تفصیلی رد	۵۹
89	حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں	۶۰
89	امام ابن حجر عسقلانی نے تعقب کرتے ہوئے فرمایا۔	۶۱
90	امام ذہبی فرماتے ہیں۔	۶۲
90	دوسری بات	۶۳
90	جن محدثین نے کہا کہ اس نے عبید اللہ بن عمر (المصغر) الحافظ ثقہ سے روایت کی ہے وہ یہ ہیں۔	۶۴
92	فصل	۶۵
92	جنہوں نے عبد اللہ بن عمر العمری المکبر سے روایت کی وہ یہ ہیں۔	۶۶
93	فصل	۶۷
97	حافظ عراقی نے فرمایا۔	۶۸
97	فصل	۶۹
98	منکر کے دو شرائط	۷۰
98	حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔	۷۱
99	فصل	۷۲
101	فصل	۷۳
102	اسے حافظ ابو علی بن السکن نے صحیح قرار دیا ہے۔	۷۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۷۵	فن حدیث سے آگاہ شخص یہ اعتراض کر ہی نہیں سکتا۔	103
۷۶	ابن تیمیہ نے (المنہاج ۲/ ۱۲۲) میں کہا۔	104
۷۷	عبداللہ بن عمر العمری کا مقام	106
۷۸	فصل	108
۷۹	ابن حبان جرح میں متشدد ہیں۔	108
۸۰	اعتراض وجواب	112
۸۱	ترک کا معنیٰ روایت نہ لینا بھی ہے۔	113
۸۲	فصل	
۸۳	دو وجوہ سے محلِ نظر	115
۸۴	امام سخاوی کا اہم نوٹ۔	116
۸۵	فصل	
۸۶	امام ابن معین کی توثیق	117
۸۷	فصل	
۸۸	عبداللہ بن عمر العمری کی توثیق پر آئمہ محدثین کی تصریحات۔	119
۸۹	امام ابن عدی نے (الکامل ۴/ ۱۴۶۱) میں فرمایا۔	121
۹۰	فصل	123
۹۱	تنبیہ	123
۹۲	دوسری حدیث۔	124
۹۳	فصل	
۹۴	اعتراض وجواب	126
		126

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۹۵	اہم نوٹ	128
۹۶	تیسری حدیث	129
۹۷	حضرت انس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس حدیث کی دوسری سند	131
۹۸	چوتھی حدیث	132
۹۹	پانچویں حدیث	135
۱۰۰	اللہ کی مدد سے عرض کرتا ہوں۔	136
۱۰۱	تین آئمہ حدیث کا صحتِ حدیث پر اتفاق	139
۱۰۲	ابن تیمیہ کا رد	139
۱۰۳	چھٹی حدیث	141
۱۰۴	ساتویں حدیث	143
۱۰۵	آٹھویں حدیث	147
۱۰۶	نویں حدیث	150
۱۰۷	دسویں حدیث	152
۱۰۸	گیارہویں حدیث	154
۱۰۹	بارہویں حدیث	155
۱۱۰	تیرہویں حدیث	156
۱۱۱	چودھویں حدیث	156
۱۱۲	پندرہویں حدیث	157
۱۱۳	سولہویں حدیث	161
۱۱۴	تخریج حدیث	162

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۱۵	سترھویں حدیث	164
۱۱۶	اٹھارویں حدیث	164
۱۱۷	حدیث: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ	170
۱۱۸	حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	171
۱۱۹	حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث۔	173
۱۲۰	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت۔	176
۱۲۱	حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت۔	176
۱۲۲	حضرت ابوالجعد الضمری کی روایت	177
۱۲۳	حضرت واثلہ بن الاسقع کی روایت	178
۱۲۴	حضرت مقدام بن معدی کرب اور حضرت ابوامامہ کی روایت	178
۱۲۵	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی روایت۔	179

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

مفتی محمد خاں قادری

اللہ تعالٰے کا ارشادِ گرامی ہے ۔

ولو انھم اذ ظلموا	اگر لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر لیں
انفسھم جاءوک	تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے
فاستغفروا اللّٰہ واستغفر	پاس آئیں پھر وہ اللہ سے
لھم الرسول لوجدوا	معافی مانگیں اور رسول اللہ انکے
اللّٰہ توابا رحیما	لیے سفارش کر دے تو وہ اللہ کو توبہ
(النساء)	قبول کرنے والا اور رحم فرمانے
	والا پائیں گے ۔

اس آیت سے واضح ہے کہ بارگاہ نبوی کی حاضری ہر مسلمان کے لیے عظیم نعمت و فضیلت کا درجہ رکھتی ہے خواہ وہ قریب کا رہنے والا ہو یا بعید کا ،

اسکی فضیلت و جواز پر متعدد احادیث نبوی بھی عادل شاہد ہیں مثلاً ،

من زار قبری	جس نے روضہ اقدس کی زیارت
وجبت لہ شفاعتی	کی اس کے لئے میری شفاعت
	ثابت ہو گی ۔

صحابہ سے لے کر آج تک امت مسلمہ کے تمام مفسرین، محدثین اور فقہاء حاضری دیتے آئے اور ہر مسلمان وہاں کی حاضری کے لئے تڑپتا اور دعاگو رہتا ہے مگر کچھ کج فہم لوگ اس کی مخالفت کرتے ہوئے کسی بات کو تسلیم

کرنے کے لئے تیار نہیں، آیت مبارکہ ان کے سامنے پڑھو تو کہہ دیں گے یہ بات صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات تک مخصوص ہے وصال کے بعد یہ حکم ختم ہو گیا حالانکہ امت کے ہر مفسر قرآن نے اس حکم کو عام تسلیم کیا اور کہا یہ تا قیامت امت مسلمہ کے لیئے خوشخبری ہے ،

احادیث بیان کرو تو کہیں گے یہ تمام جعلی بناوٹی اور موضوع ہیں، سب سے پہلے یہ بات شیخ ابن تیمیہ نے کہی تو ان کا رد اس وقت کے عظیم محدث امام سبکیؒ نے کہا اس موضوع پر مکمل کتاب "الشفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام" تحریر کی۔ ہمارے دور میں بھی کچھ لوگوں نے زیارت کے بارے میں وارد احادیث مبارکہ پر اعتراضات اٹھائے اس کے جوابات کی اشد ضرورت تھی، اللہ تعالٰی عرب کے مشہور محدث شیخ محمود سعید ممدوح (دبئی) کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس موضوع پر لاجواب کام کر دیا، انہوں نے صرف احادیث زیارت پر ہی کام نہیں کیا بلکہ احادیث توسل پہ بھی کام کر دیا۔ انہوں نے اس اہم موضوع پر "رفع المنارۃ لتخریج احادیث التوسل والزیارۃ" لکھ کر امت مسلمہ پر عظیم احسان کیا ہے جیسے ہی یہ کتاب مولانا حافظ عبدالکریم رضوی کے واسطہ سے بندہ کو ملی اسی وقت اس کی اشاعت و ترجمہ کا ارادہ کر لیا، علامہ محمد عباس رضوی (ممبر مرکز تحقیقات اسلامیہ) سے ذکر ہوا تو انہوں نے ترجمہ کی ذمہ داری قبول فرمائی، بڑی محنت سے بہت جلد اس کا ترجمہ کر دیا بندہ نے اسے مکمل پڑھا مرحلہ کتابت کے بعد اشاعت کا وقت آپہنچا تو اپنے عظیم دوست الحاج محمد طفیل مدنی سے بات ہوئی کہ اس کی اشاعت جلدی ہونی چاہیئے۔ تاکہ اہم فریضہ کی ادائیگی ہو جائے انہوں نے شیخ وسیم الدین، وحید الدین اور احمد نعمان سے رابطہ کر کے کتاب کی اہمیت واضح کی تو انہوں نے فی الفور اس کی طباعت کی ذمہ داری قبول کر لی،

اللہ تعالیٰ مصنف، مترجم اور معاونین کی اس خدمت کو قبول فرمائے، یاد رہے، کتاب کا زیارت والا حصہ شائع کیا جا رہا ہے توسل والا ابھی باقی ہے ترجمہ کے بعد اس کی اشاعت الگ کی جائے گی۔

نوٹ:۔ عربی دان حضرات کے لیے ساتھ عربی متن بھی شائع کیا جا رہا ہے۔

شیخ محمود مدظلہ کی چند دیگر تصانیف

یہاں شیخ محمود مدظلہ کی دیگر چند تصانیف کا تذکرہ بھی ضروری ہے

۱۔ تنبیہ المسلم الی تعدی الباني علی صحیح مسلم

شیخ ناصر الدین البانی نے حدیث پر جو کام کیا اس میں جا بجا تضادات کی نشاندہی مختلف اہل علم نے کی ہے۔ اس سلسلہ میں یہاں شیخ حسن بن علی السقاف کا کام "تناقضات الالبانی الواضحات فیما وقع لہ فی تصحیح الاحادیث و تضعیفھا من اخطاء و غلطات" قابل ذکر ہے وہاں شیخ محمود سعید ممدوح کا کام بصورت "تنبیہ المسلم الی تعدی الالبانی علی صحیح مسلم" نہایت ہی قابل داد و تحسین ہے۔

مقدمہ میں اس کتاب کی غرض و غایت یوں تحریر کرتے ہیں:

نقد وقفت علی کلام الشیخ	میں شیخ البانی کے ایسے کلام پر آگاہ
الالبانی ضعف فیه جملة	ہوا جس میں انہوں نے صحیح مسلم کی
من الاحادیث التی فی (صحیح	متعدد احادیث کو ضعیف قرار دیتے
مسلم) فتکلم علیها بما یؤکد	ہوئے ایسی گفتگو کی جس سے امام مسلم کا
خطاءه ویثبت خروجه	کا خاطی ہونا اور ان اصولوں سے
علی ما قرره العلماء من صحتها	نکلنا لازم آتا ہے جو علماء کے ہاں
وتلقیها القبول المفید	مسلّم اور مقبول ہیں۔ ان کا کلام

للعلم وكلامه يدعو الى التشكيك في صحيح الامام مسلم وفيه من الاعراب والمخالفة والتعقيب على المتقدمين ما يوهم المغترين به انه استدرك على الائمة المتقدمين كالبخاري ومسلم فضلاً من المتاخرين ——— وقد رأيت ان السكوت على هذا التعدى غير مقبول ويلحق العارف به الاثم لذلك كتبت هذا (التنبيه) ادفع به بعون الله تعالى كل تعديه على صحيح مسلم وقد سميته تنبيه المسلم الى تعدى الالبانى على صحيح مسلم.

(تنبيه المسلم، ۷-۸)

صحیح امام مسلم کے بارے میں تشکیک کی دعوت دیتا ہے اور اس میں ایسی مخالفت اعراب اور متقدمین پر تعقیب ہے جو دھوکہ دینے والوں کو موقعہ فراہم کر رہی ہے کہ انہوں نے بخاری و مسلم جیسے متقدمین کی کمی کا ازالہ کیا ہے۔ متاخرین تو کسی کھاتے میں نہیں ——— تو میں نے محسوس کیا کہ اس زیادتی پر خاموش رہنا جائز نہیں۔ اس سے آگاہ ہونے کے باوجود رد نہ کرنا گناہ کا ذریعہ ہے لہذا میں نے اللہ کی توفیق سے البانی کی زیادتیوں پر لکھا ہے اور اس کا نام "تنبیہ المسلم علی تعدی اللبانی علی صحیح مسلم" رکھا ہے۔

اس کتاب کے مطالعہ سے اس بات کا خوب اندازہ ہو جاتا ہے کہ شیخ موصوف کی علم حدیث اور اصولِ حدیث پر کتنی نظر ہے؟

۲ - الاعلام باستحباب شد الرحال لزیارۃ خیر الانام

اس رسالہ اور مصنف کے بارے میں فضیلۃ الشیخ عیسٰی بن عبد اللہ بن مانع الحمیری (مدیر عام دائرۃ الاوقاف والشوون الاسلامیہ دبئی تقدیم میں لکھتے ہیں:

وهذه رساله جليلة
للمحدث الفاضل محمود
سعيد ممدوح جزاه
الله من الاسلام والمسلمين
خير الجزاء بما ينافع
من السنة المطهرة اسماها
(الاعلام باستحباب شد
الرحال لزيارة خير الانام
عليه افضل الصلاة والسلام)
جمع فيها خلاصة ما قيل
في هذا المقام وادلى بدلوه
ليرضى حبيبه رسول الله
صلى الله عليه وسلم و
يشفى بها قلوب قوم مومنين
ويهدى بها قلوب المنكرين
والمكابرين بالحجة الدامغة
والبراهين الساطعة - (تقديم للاعلام)

یہ محدث فاضل محمود سعید ممدوح
کا عظیم رسالہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں
اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے
جزائے خیر دے کیونکہ انہوں نے
اس سے سنتِ مطہرہ کا دفاع کیا
ہے اس کا نام انہوں نے (الاعلام
باستحباب شد الرحال لزیارۃ خیر الانام
علیہ افضل الصلاۃ والسلام) رکھا ہے
اس میں انہوں نے اس موضوع پر
دلائل کا خلاصہ بیان کر دیا ہے تاکہ
اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا
نصیب ہو۔ مومنوں کے دل سے
اس شفا پائیں اور منکرین اور مکابرین
کے دل حجتِ قاہرہ اور براہینِ ساطعہ
سے ہدایت پائیں۔

اس کتاب کا اردو ترجمہ "اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے" کے نام سے علامہ ممتاز احمد سدیدی نے کیا مرکز تحقیقات اسلامیہ نے مئی ۱۹۹۵ء میں شائع کیا۔

۳۔ وصول التھانی باثبات سنیۃ السبحۃ والرد علی الالبانی

شیخ ناصر الدین البانی نے ہاتھ میں تسبیح لے کر ذکر کو بدعت قرار دیا یہ کتاب اس کے رد میں ہے کہ یہ عمل بدعت نہیں سنت ہے۔

۴۔ حاشیہ الترجیح لحدیث صلاۃ التسبیح

کچھ لوگوں نے نماز تسبیح کے حق میں وارد شدہ احادیث کے بارے میں کہا یہ احادیث قابلِ استدلال نہیں، اس موضوع پر حافظ ابن ناصر الدین دمشقی ۸۵۲ھ نے مکمل کتاب "الترجیح لحدیث صلاۃ التسبیح" تحریر فرمائی یہ کتاب کافی عرصہ سے نایاب تھی شیخ محمود نے اسے تلاش کیا اور اس پر نفیس حاشیہ لکھ کر اسے کی اشاعت کی۔

اللہ تعالےٰ انہیں مزید خدمتِ دین کی توفیق دے۔

اسلام کا ادنیٰ خادم

محمد خان قادری

مرکز تحقیقات اسلامیہ لاہور

زیارتِ قبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

اور

ائمۂ اُمّت

۱ - شارحِ مُسلم امام نووی

امام ابوزکریا النووی (جن کے علم وفضل پر اتفاق ہے) فرماتے ہیں:
یہ جان لینا چاہئیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور کی زیارت اہم قربات اور نیکیوں اور کامیاب مساعی میں سے ہے۔
جب حجّاج اور عمرہ کرنے والے مکہ مکرمہ سے فارغ ہو کر واپس پلٹیں تو ان کے لئے مستحب ہے کہ وہ مدینہ شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ منورہ کی زیارت کی طرف متوجہ ہوں اور زائر کو چاہئیے کہ زیارت تقرب کی نیت کرے اور اس کے طرف کجاوا کس کے یعنی قصد کر کے جائے اور اس مسجدِ نبوی میں نماز کی نیّت بھی کرے۔ (المجموع شرح المہذب، ۸ : ۲۰۴)

اور ایسے ہی اپنی کتاب "الایضاح" میں مناسک حج کے ضمن میں فرمایا:
جب حجاج کرام اور عمرہ کرنے والے مکّہ سے فارغ ہوں تو مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ مبارک کی زیارت کی طرف متوجّہ ہوں۔ کیونکہ یہ بہت زیادہ قربات اور کامیاب مساعی (کوشش) ہے اور امام بزار اور دارقطنی نے اپنی اپنی سند سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت کی انہوں نے فرمایا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من زار قبری وجبت له شفاعتی۔	جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

(الایضاح صـ۲۱۴)

اور فقیہ امت ابن حجر الھیتمی نے اس حدیث پر حاشیہ لکھتے ہوئے فرمایا:
یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت حیات و وصال دونوں کو شامل ہے اور ہر مذکر و مؤنث کے لئے وہ دور سے یا قریب سے آئے ہر ایک کو شامل ہے اور اس حدیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور آپ کی قبر کی طرف سفر کے مندوب ہونے اور اس کی طرف سفر کی فضیلت کے لئے استدلال کیا گیا ہے۔

(حاشیہ الایضاح صد ۲۱۴)

۲ - امام ابن الھمام حنفی

محقق علی الاطلاق امام کمال بن الھمام حنفی "المقصد الثالث فی زیارت قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں فرماتے ہیں:
ہمارے مشائخ (احناف) نے فرمایا کہ زیارت قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم افضل مندوبات میں سے ہے۔ مناسک فارسی اور شرح المختار میں ہے کہ صاحب استطاعت پر یہ زیارت واجب کے قریب ہے۔ پھر اس کے بعد فرمایا:
اس بندۂ ضعیف کے نزدیک اولیٰ یہ ہے کہ محض زیارت قبر شریف کی نیت کی جائے اور جب وہاں چلا جائے تو پھر مسجد شریف کی بھی زیارت کرے یا پھر دوسری مرتبہ دونوں (قبر شریف اور مسجد شریف) کی نیت کرے کیونکہ اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و شان اور اجلال زیادہ ہے۔

(فتح القدیر ۳/ ۱۷۹ - ۱۸۰)

اور اس پر علامہ انور شاہ کشمیری (دیوبندی) نے کہا۔
اور میرے نزدیک یہی حق ہے کیونکہ اسلاف سے ہزاروں لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے سامان باندھ کر اور قصد کر کے جاتے تھے اور اس کو بہت بڑی نیکیوں میں شمار کرتے تھے۔ اور ان کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ صرف

مسجد نبوی شریف کی زیارت کی نیت سے جاتے روضۂ اطہر کی نیت نہ کرتے تھے، باطل ہے بلکہ وہ قطعی طور پہ قبرِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی نیت کرتے تھے۔

(فیض الباری شرح صحیح البخاری، ۲: ۴۳۳)

ہم کہتے ہیں کہ اس کا کلام صحیح اور خوب ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ مکہ مکرمہ میں ایک لاکھ نماز کا ثواب چھوڑ کر اپنے مال و جان کو قربان کرنا اور مدینہ شریف کی طرف کرنا چہ معنی دارد؟ انہوں نے اس شہر کو کیوں چھوڑا جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے۔

واللہ انک خیر ارض اللہ	اللہ کی قسم اے مکہ تو اللہ کی زمین سے
واحب ارض اللہ الی اللہ	افضل ترین خطہ ہے اور اللہ کے نزدیک تمام زمین سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

تو کیا ان لوگوں نے اس شہر کو صرف مسجدِ نبوی کی زیارت کے لیے ترک کیا جیسا کہ وہ (نجدی) کہتے ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ جن و انس ان کی مخالفت کرتے ہوئے کہیں گے کہ یہ سب حبیب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے سفر کرتے ہیں۔

اور رد المختار شرح در المختار میں ہے:

(قولہ مندوبۃ) مصنف کا قول کہ یہ زیارت مندوب و مستحب ہے یعنی تمام مسلمانوں کے اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ مندوب ہے جیسا کہ "اللباب" میں ہے۔

اور مصنف کا قول (بلکہ کہا گیا ہے کہ یہ واجب ہے) اس کو شرح اللباب میں ذکر کیا گیا ہے اور کہا کہ اس کو میں نے "الدرۃ النبویۃ فی زیارۃ المصطفویۃ" میں بیان کر دیا ہے۔

اور اسے علامہ خیر الدین الرملی نے "حاشیۃ المنح" میں ابن حجر سے ذکر

کر کے اس کی تائید کی ہے۔

ہاں "اللباب"، "فتح القدیر" اور "شرح المختار" کی عبارت واضح کرتی ہے کہ صاحب وسعت پر زیارت قریب الوجوب ہے۔

اور "فتح القدیر" میں اس کو "ما ورد فی فضل الزیارۃ" کے باب میں ذکر کیا اور اس کی کیفیت و آداب بیان کرتے ہوئے کافی شرح و بسط سے کام لیا گیا ہے اور ایسے ہی "شرح المختار" اور "اللباب" میں ہے۔

اور مصنف کا کہنا..... شروع کرے:

شرح "اللباب" میں فرمایا کہ امام حسن نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی کہ جب حج فرض ہے تو حاجی کے لئے بہتر ہے کہ وہ پہلے حج کرے پھر زیارۃ قبر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جائے اور اگر پہلے زیارت کرے تو بھی جائز ہے۔

(رد المختار شرح در المختار، ۲: ۲۵۷)

حضرت امام ملا علی القاری فرماتے ہیں:

حنابلہ میں سے ابن تیمیہ نے سخت زیادتی کی ہے کیونکہ اس نے زیارۃ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سفر کو حرام کہا ہے۔ جیسا کہ دوسروں نے افراط سے کام لیا اور کہا کہ "زیارت ایسی قربت اور نیکی ہے جو ضروریات دین میں سے ہے اور اس کا منکر کافر ہے۔

لیکن دوسرا مؤلف اقرب الی الصواب ہے کیونکہ جس کام کو جمیع علمائے کرام مستحب گردانیں اس کو حرام کہنا کفر ہی تو ہے اور یہ حرام کو مباح قرار دینے سے زیادہ برا ہے جو کہ اس باب میں متفق علیہ ہے۔

(شرح الشفاء بحاشیہ نسیم الریاض، ۲: ۵۱۴)

حضرت امام قاضی عیاض فرماتے ہیں:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرنے، سلام عرض کرنے اور دعا مانگنے کا طریقہ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس کی زیارت مسلمانوں کی سنتوں (اعمال) میں سے ایسی سنّت (عمل) ہے کہ جس پر اجماع ہے اور یہ ایسا فضیلت والا کام ہے کہ جس کی ترغیب دی گئی ہے، کے بارے میں فصل)

(الشفا، ۲: ۴۷)

اور ایک اور جگہ (۷۵/۲) امام ابن عبدالبر سے نقل کرتے ہوئے فرمایا:

الزیارۃ مباحۃ بین الناس وواجب شد المطی الی قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم۔	لوگوں کے درمیان زیارت مباح ہے (اس میں کوئی اختلاف نہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کی زیارت کے لیے سفر واجب ہے۔

امام قاضی عیاض نے فرمایا کہ یہاں واجب سے مراد مندوب کا وجوب ہے اور زیادہ ترغیب و تاکید کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ وجوب فرض کے معنوں میں نہیں ہے۔

حضرت علامہ الدردیر شرح میں فرماتے ہیں:

وندب زیارۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھی من اعظم القربات	نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مندوب ہے اور بہت بڑی نیکیوں میں سے ہے۔

(۲: ۳۸۱)

حضرت امام ابومحمد بن قدامہ المقدسی محقق مذہب حنابلہ فرماتے ہیں:
نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ منورہ کی زیارت مستحب ہے کیونکہ امام دارقطنی

نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من حج فزار قبری بعد وفاتی فکانما زارنی حیاتی۔	جس نے حج کیا اور میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے میری ظاہرہ زندگی میں زیارت کی۔

اور دوسری روایت میں ہے:

من زار قبری وجبت له شفاعتی۔	جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت ثابت ہو گئی۔

پہلی روایت کے الفاظ کو اس سند کے ساتھ روایت کیا ہے:

حدثنا سعید ثنا حفص بن سلیمان عن لیث عن مجاھد عن ابن عمر رضی اللہ عنہ۔

امام احمد نے عبداللہ بن یزید بن قسیط کے حوالے سے حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت کی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ما من احد یسلم علی (عند قبری)[1] الا رد اللہ علی روحی حتی ارد علیہ السلام۔	جب بھی کوئی شخص میری قبر انور کے پاس سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری روح مبارکہ کو میری طرف متوجہ فرماتا ہے حتیٰ کہ میں اس کا جواب دیتا ہوں۔

اور جب کوئی ایسا شخص حج کرے کہ جس نے پہلے کبھی حج نہ کیا ہو۔ یعنی سوائے شام

---

[1] مسند امام احمد کی روایت میں عند قبری کے الفاظ نہیں ہیں بلکہ حدیث شریف عام ہے اس پر واضح مکمل کلام فقیر کی تصنیف: "العقیدۃ الصحیحۃ فی شرح حیاۃ الانبیاء" میں ملاحظہ فرمائیں۔ ہرجم عفرلہ

کے راستے سے تو مدینے کے راستے سے سفر نہ کرے۔ خوف ہے کہ کہیں وہ ایسا کلام نہ کرے جو کہ نہیں کرنا چاہیے۔ اس کو چاہیے کہ مکہ کا راستہ پکڑے کیونکہ وہ سفر تھوڑا ہے۔ اور وہ کسی اور مشاغل میں مشغول نہ ہو۔

اور امام عتبی سے روایت ہے کہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبد روضۂ انور کے پاس حاضر تھا کہ ایک اعرابی آیا اور اس نے عرض کیا:

السلام علیک یا رسول اللہ! میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سنا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا	اور اگر وہ جب بھی اپنی جانوں پہ ظلم کر بیٹھیں تو اے پیارے محبوب تیری بارگاہ میں حاضر ہو جائیں اور اللہ سے بخشش طلب کریں اور اللہ کا رسول بھی ان کے لئے استغفار کرے تو وہ اللہ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پائیں گے۔

میں گناہ گار ہوں اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہوئے اپنے رب کی بارگاہ میں آپ سے شفاعت کا طلب گار ہوں۔

پھر اس نے یوں عرض کی:

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمه ۔۔۔ فطاب من طیبهن القاع والاکم

نفسی الفداء لقبر انت ساکنه[1] ۔۔۔ فیه العفاف وفیه الجود والکرم

(ترجمہ) اے زمین میں دفن ہونے والوں میں سب سے بہتر شخصیت! آپ کی خوشبو سے میدان اور فضائیں معطر ہو گئیں۔

میری جان اس قبرِ مقدسہ پہ قربان ہو جہاں آپ محوِ آرام ہیں۔ اس میں پاکیزگی اور اسی میں سراپا سخاوت و بخشش ہے۔ (اسی میں صاحب جود و کرم ہے)

---

[1] (نوٹ) یہ اشعار آج بھی مواجہہ شریف کی طرف ستونوں پر لکھے ہوئے ہیں۔ والحمد للہ، مترجم غفرلہ)

پھر وہ اعرابی پلٹ گیا اور میری آنکھ لگ گئی ۔ پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ۔ آپ نے فرمایا

یا عتبی اُلحق الاعرابی فبشّرہٗ ان اللہ غفرلہٗ ۔	اے عتبی جلدی کر اس اعرابی کو مل اور بشارت دے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخشش دیا ہے ۔

(المغنی ، ۳ : ۵۸۸ - ۵۸۹)

حضرت امام ابوالفرج ابن قدامہ الحنبلی شرح الکبیر میں فرماتے ہیں

مسئلہ : حاجی جب حج سے فارغ ہو تو اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین (صدیق و عمر) کی قبورِ مقدسہ کی زیارت کرے ۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ انور کی زیارت مستحب ہے کیونکہ امام دارقطنی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

من حج فزار قبری بعد وفاتی فکانما زارنی فی حیاتی !	جس نے حج کیا اور میری قبر انور کی زیارت کی میرے وصال کے بعد تو گویا اس نے میری ظاہری حیات میں زیارت کی ۔

اور ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں :

من زار قبری وجبت لہ شفاعتی ۔	کہ جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی ۔

اور امام احمد نے عبداللہ بن یزید بن قسیط عن ابی ہریرہؓ کی سند سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

ما من احد یسلم علی عند قبری رد اللہ علی روحی حتی	جب بھی کوئی شخص میری قبر کے پاس مجھ پر سلام عرض کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ

ارد علیه السلام۔ | میری روح کو میری طرف متوجہ فرماتا ہے حتی کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔
(الشرح الکبیر، ۳: ۴۹۴)

اس کے بعد امام عتبی کا مذکورہ بالا واقعہ بیان کیا۔

حضرت امام الشیخ منصور البہوتی کشاف القناع میں فرماتے ہیں:

فصل: جب آدمی حج سے فارغ ہو تو اس کے لیے مستحب ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین حضرات ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کی قبور مقدسہ کی زیارت کرے کیونکہ اس سلسلہ میں حدیث وارد ہے جسے دارقطنی نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا۔ آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من حج فزار قبری بعد وفاتی فکانما زارنی فی حیاتی | جس نے حج کیا اور میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا کہ اس نے میری ظاہری حیات میں میری زیارت کی۔

اور ایک روایت میں اس طرح ہے:

من زار قبری وجبت له شفاعتی۔ | جس نے میرے روضہ کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی۔

پہلی روایت کے الفاظ سعید سے مروی ہیں۔

تنبیہ

شیخ ابن نصر اللہ نے کہا:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر کی زیارت کا استحباب لازماً اس کی طرف شدِ رحال کے استحباب کو مستلزم ہوگا کیونکہ حاجی کے لئے شدِ رحال کے سوا یہ سفر ممکن نہیں ہے۔ استحبابِ زیارت کی تصریح ہی ہے۔

(کشاف القناع ۲/۵۱۴-۵۱۵)

اور پھر اس کے بعد امام عتبی کا قصہ بیان فرمایا:
اور مقنع کے متن میں ہے کہ:-

جب حج سے فارغ ہو جائے تو حاجی کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ منور اور صاحبین کی قبور کی زیارت مستحب ہے۔

(المقنع ۴/۲۵۸)

اور ایسے ہی " المبدع " شرح المقنع لابن مفلح " میں ہے اور اس کو شارح نے مقرر رکھا بلکہ اس پہ امام عتبی کا قصہ زیادہ کیا۔

امام ابوالحسن المرداوی فرماتے ہیں: ۲۵۸-۲۶۰

" ماتن کا قول ہے کہ وہ جب حج سے فارغ ہو جائے تو اس پہ قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین کی قبور کی زیارت مستحب ہے۔"

یہی مذہب ہے اور اسی پہ اصحابِ علم و حجت متقدمین و متأخرین قائم ہیں۔

(الانصاف ۴: ۵۳)

اور " زاد المستقنع مختصر المقنع " میں ہے۔

اور قبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صاحبین کی قبورِ مقدسہ کی زیارت مستحب ہے۔

(الروض المربع ۱۵۲)

یہ خلاصہ ہے اس کا جو کچھ فقہاء مذاہبِ اربعہ نے مسئلہ زیارت میں بیان

اور اس سے معلوم ہوا کہ طلبِ زیارت وجوباً و ندباً یہ ان سب کا اتفاق ہے۔

اور اس پہ تاکید کرنے میں علماء نے سبقت کی ہے اور اس پہ مسلمانوں کا عمل جاری ہے اور اہلِ عنایت کے لیے بقدر کفایت مذکور ہوا۔ اور سمجھدار اس کو تسلیم کریں گے، اس کی قدر کو پہچانیں گے اور اسی پہ ٹھہریں گے۔

اور معرفتِ دلیل کا شوق رکھنے والوں کے لیے تو قائلینِ زیارت نے اپنے مطلوب پر قرآن و سنّت اور اجماعِ امت سے استدلال کیا ہے۔

o

قرآنِ حکیم

اور

مسئلہ زیارتِ روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قرآن حکیم اور مسئلہ زیارت روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔

اور جب کبھی بھی وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو آئیں آپ کے پاس، اللہ سے معافی مانگیں اور رسول ان کی بخشش کے لئے سفارش کر دے تو وہ اللہ کو توبہ قبول اور رحم کرنیوالا پائیں گے۔

یہ آیت کریمہ حیات و وصال دونوں حالتوں کو شامل ہے اور جس نے اس کو صرف حالتِ حیات کے ساتھ مخصوص کر لیا وہ صحیح راستہ سے بھٹک گیا کیونکہ فعل سیاق شرط میں عموم کا فائدہ دیتا ہے اور عموم کے لئے سب سے اعلیٰ صیغہ وہ ہے جو سیاقِ شرط میں واقع ہو۔ (ارشاد الفحول، ۱۲۲)

اور ہمارے استاد علامہ محقق السید عبداللہ بن صدیق الغماری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ یہ آیت عام ہے اور حالتِ حیات و وصال دونوں کو شامل ہے اور کسی ایک حالت کے ساتھ اس کی تخصیص دلیل کی محتاج ہے۔ اور وہ یہاں مفقود ہے۔

اور کوئی کہے کہ یہاں عموم کہاں سے آیا کہ حالتِ حیات کے ساتھ اس کی تخصیص

دلیل کی محتاج ہو۔ تو ہم کہیں گے کہ یہاں فعل شرط کے ساتھ واقع ہوا ہے اور کتب اصول میں یہ اصول طے شدہ ہے کہ فعل جب شرط کے تحت واقع ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے کیونکہ فعل نکرہ کے معنی میں مصدر نکرہ کو متضمن ہوتا ہے اور نکرہ جب سیاق نفی یا سیاق شرط سے واقع ہو تو یہ عموم کے لئے موضوع ہوگا۔

(الرد المحکم المتین ۴۴)

پس یہ آیت شریفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہر حالت میں آنے کی طلب میں نص ہے کیونکہ اس میں " جاءوک " مقام شرط میں واقع ہے جو کہ عموم پر دلالت کرتا ہے۔

اور مفسرین کرام نے اس آیت سے عموم ہی سمجھا ہے۔ اس لئے آپ ملاحظہ کریں گے کہ انہوں نے اس آیت کے تحت امام عتبی کی حکایت بیان کی ہے۔

امام ابن کثیر فرماتے ہیں۔

علماء کی ایک جماعت کہ ان میں سے شیخ ابو النصر الصباغ ہیں، نے اپنی کتاب " الشامل " میں امام عتبی کی مشہور حکایت ذکر کی ہے کہ عتبی نے کہا:

میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ مقدسہ کے قریب بیٹھا ہوا تھا۔ پس ایک اعرابی آیا اور عرض گزار ہوا

السلام علیک یا رسول اللہ میں نے سنا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔

تو میں آپ کی بارگاہ میں اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہوئے حاضر ہوں اور اپنے رب کی بارگاہ میں آپ کو شفیع بناتا ہوں۔" پھر اس اعرابی نے یہ اشعار پڑھے ؂

یا خیر من دفنت بالقاع اعظمہ   فطاب من طیبھن القاع والاکم

نفسی الفداء لقبر انت ساکنه فیه العفاف وفیه الجود والکرم

پھر اعرابی لوٹا اور میری آنکھوں پہ اونگھ غالب آئی تو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ نے ارشاد فرمایا :

اے عتبی اعرابی کو مل اور اسے بشارت دے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا ہے ۔[1]

---

[1] تحریف :

اس قصہ کو امام نووی (جن کی فضیلت علم پہ امت مجتمع ہے) نے اپنی کتاب "الاذکار" میں ذکر فرمایا ہے لیکن محقق نے امانت کا پٹہ گردن سے اتارتے ہوئے بہت بڑی خیانت سے کام لیا اور اس نسخہ سے اس قصہ کو ہی حذف کر دیا ۔ یہ محرف نسخہ " دار الھدیٰ" الریاض سے ۱۴۰۹ھ کو شائع ہوا ہے ۔

ان لوگوں نے صرف اسی تحریف پہ اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کی اور بھی مثالیں موجود ہیں ۔ مثلاً امام نووی نے کتاب الاذکار میں ایک فصل اس عنوان سے شامل کی ہے " فصل" فی زیارۃ قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واذکارھا " اعلم انہ ینبغی لکل من حج ان یتوجہ الی زیارۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواء کان ذلک طریقۃ اولم یکن فان زیارۃ صلی اللہ علیہ وسلم من اھم القربات واربح المساعی وافضل الطلبات

لیکن محقق نے تمام عبارت میں تحریف کر دی اور اپنی طرف سے یہ عبارت لکھ دی :

فصل فی زیارۃ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ، اعلم انہ یستحب من اراد مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یکثر من الصلوٰۃ علیہ صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی دونوں جگہ زیارت قبر اور زیارت رسول کی جگہ زیارت مسجد کر دیا ۔

اور اگر یہ حکایت سندِ صحیح سے ثابت نہ بھی ہو تو بھی کوئی بات نہیں کیونکہ بے شمار مفسرین کا اسے اس مقام پر بیان کرنا واضح کر رہا ہے کہ یہ آیت عموم کا فائدہ دیتی ہے۔ اور "عرض اعمال" والی حدیث اس آیت کے عموم پر استدلال کی تائید کرتی ہے۔

اور اس حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں:

حیاتی خیرلکم ومماتی خیرلکم تحدثون ویحدث لکم وتعرض علی اعمالکم فما وجدت خیراً احمدت اللہ وما وجدت غیر ذلک استغفرت لکم۔

اے میرے غلامو! میری حیات تمہارے لئے بہتر ہے اور میرا وصال بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ تم مجھ سے گفتگو کرتے ہو اور میں تمہارے ساتھ گفتگو کرتا ہوں۔ اور تمہارے اعمال مجھ پر پیش ہوتے ہیں پس ان کو اگر میں بہتر پاتا ہوں تو اللہ کی حمد بیان

(تسلسل) امام نووی کی یہ عبارت تھی لیکن محقق نے عبارت میں تحریف کر کے اس طرح کر دی اور یہ تعریف (ص ۲۹۵) میں ہے۔

اللہ کے احکامات کا مذاق اڑانے والو (نجدیو) اللہ سے ڈرو اور دیکھو یہ کس طرح باطل کے ساتھ باطل کی مدد کرتے ہیں۔ اس شخص نے باطل کی مدد کی اور امام نووی اور مذہب شافعی پہ جھوٹ باندھا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔

اذا لم تستحِ فاصنع ما شئت — بے حیا باش ہرچہ خواہی کن

ایسے فراڈوں کی تفصیل ہمارے بھائی علامہ سید حسن بن علی السقاف باعلوی (اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائے) نے اپنی کتاب "الاغاثہ" صـ۱۶ تا ۱۸ میں بیان فرمائی ہیں۔

کرتا ہوں اور اگر اس کے علاوہ پایا
تو تمہارے لئے اللہ سے بخشش طلب
کروں گا۔

یہ حدیث صحیح ہے اور اس کا مفصل بیان اِنْ شَآءَ اللّٰہ آگے آرہا ہے۔

آیت میں ایسے عموم کے باوجود جس میں کوئی شک نہیں کرسکتا ابن عبد الھادی نے عجیب بات کہہ دی ہے کہ سلف و خلف نے اس آیت سے یہی سمجھا کہ صرف آپ کی ظاہری حیات میں لوگ آکر سفارش کروائیں۔ (الصارم المنکی صـ ۴۲۵)

مجھے ان کے قول پہ اتنا تعجب ہے کہ دور ہونے میں نہیں آرہا کیونکہ وہ تو سلف و خلف ہر ایک کی شہادت کی نفی میں شہادت دے رہے ہیں اور انہوں نے صرف اسلاف پر ہی بس نہیں کیا بلکہ خلف پر بھی تعدی کی ہے۔

لیکن جب ہم کتب تفاسیر و فقہ اور کتبِ مناسک کا جو کہ ہمارے سامنے ہیں مطالعہ کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ تمام علماء نے اس آیت کو زیارت کے موقع پر بطور دلیل ذکر کیا ہے۔

کاش ابن عبد الھادی اپنے مذہب کی ہی کتب اور فقہاء حنابلہ کا اس آیت سے استدلال ملاحظہ کر لیتے تو کبھی ایسی بات نہ کہتے لیکن سچ ہے کسی شے کی محبت اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔

اور صدیوں سے حجاج کرام ہمیشہ زیارت کے لئے حج سے پہلے یا بعد آرہے ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام عرض کرتے ہیں اور اس کا جواب پاتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ ابن عبد الھادی کے دعوے کے رد کے لیے تو مسلمانوں کا یہی عمل کافی ہے۔

اور مسلمان پہ واجب ہے کہ وہ دلیل صحیح پہ عمل کرے اور یہ نہ دیکھے کہ اس پہ عمل کیا گیا ہے یا کہ نہیں۔

اور اس پر عمل سے صرف اس لئے روکنا شرع پر افترا ہے

اور اس وجہ سے توقف کہ عمل نہ کرنا اس دلیل کے متعارض ہے تو یہ ان کا وہم ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیماً۔

اے پیارے محبوب تیرے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ جو آپ حکم فرمائیں ان کے جھگڑوں کے درمیان اس کو نہ مان لیں اور پھر وہ اپنے دلوں میں حرج نہ پائیں جو کہ آپ فیصلہ فرمائیں اور یوں تسلیم کریں جیسا کہ تسلیم کرنے کا حق ہے۔

کسی مسئلہ پر دلیل آجانے کے بعد یہ دیکھنا کہ اس پر عمل ہوا ہے یا نہیں؟ سوائے ضد اور ہٹ دھرمی کے کچھ نہیں۔

حاصل کلام یہ کہ تخصیص بغیر دلیل کے نہیں ہو سکتی اور یہاں حرف شرع میں تخصیص پر کوئی دلیل نہیں

علامہ ابوبکر المراغی کی گفتگو

اس آیت سے عموم پہ استدلال کرتے ہوئے علامہ ابوبکر المراغی نے عمدہ بات کہی کہ

"ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نیکی ہے کیونکہ اس کے بارے میں احادیث وارد ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ

ولو انھم اذ ظلموا .... الآیۃ

جب بھی وہ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو وہ آپ کے حضور حاضر ہو جائیں اور وہ آپ کے حضور حاضر ہو جائیں اور اللہ سے بخشش طلب کریں اور رسول بھی ان کے لیے استغفار فرمائیں تو وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا پائیں گے۔

کیونکہ آپ کی تعظیم آپ کی وفات سے منقطع نہیں ہوتی اور نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار فرمانا صرف آپ کی ظاہرہ حیات کے ساتھ خاص تھا اور زیارت میں ایسے نہیں ہے کیونکہ بعض محققین علماء نے اس کا جواب دے دیا ہے کہ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے تواب اور رحیم پانے کے لیے تین امور کے ساتھ متعلق ہے

گناہ گار کا آپ کی خدمت میں آنا، استغفار کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس کے لئے استغفار فرمانا۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار فرمانا تو تمام مسلمانوں کے لئے ہے کیونکہ آپ تمام مسلمانوں کے لئے استغفار فرماتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

واستغفر لذنبك وللمومنين والمومنات۔	اے پیارے محبوب استغفار کریں اپنے لئے اور تمام مومن مرد اور عورتوں کے لئے
(سورہ محمد، ۱۹)	

پس جب اہلِ ایمان کا آپ کے پاس آنا اور آکر ان کا استغفار کرنا پایا جائے تو اب وہ تینوں امور پورے ہو گئے جو اللہ سے توبہ اور اس کے لیے ضروری تھے۔

اور تمام مسلمانوں کا زیارتِ قبور کے مستحب ہونے پہ اجماع ہے جیسا کہ امام نووی نے ذکر فرمایا اور اہل ظواہر نے تو اس کو واجب قرار دیا ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم کی زیارت عموم وخصوص دونوں جہتوں سے مطلوب ہے جیسا کہ گذرا.... الخ۔

(ص ۱۰۲ - ۲۰۳)

اور اصل کلام امام تقی الدین السبکی کی "شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام"

میں ہے۔

عموم آیت پر شیخ محمد بن صالح کا اعتراض

محمد بن صالح العثیمین (نجدی) نے اس آیت سے استدلال پر اعتراض کرتے ہوئے اپنے (فتاویٰ ۱/۸۹) میں لکھا ہے۔

(اذ) یہ ظرف ہے جیسا کہ گذرا لیکن ظرف مستقبل کے لئے نہیں بلکہ ماضی کے لئے آتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ:

ولو انھم اذا ظلمو بلکہ "اذ ظلموا" فرمایا ہے پس آیت اس حکم کو واضح کرتی ہے جو کہ آپ کی حیات میں واقع ہو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وفات کے بعد استغفار ـــــ تو یہ ناممکن اور مشکل ہے کیونکہ جب شخص وفات پا جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں، سوائے تین اعمال کے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

صدقۂ جاریہ، علم نافع یا صالح اولاد جو کہ اس کے لیے دعا کرے۔ تو یہ انسان کے لئے ممکن نہیں کہ وہ موت کے بعد کسی کے لئے استغفار کرے بلکہ وہ تو اپنے لئے بھی استغفار نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے اعمال منقطع ہو چکے ہیں:

شیخ عثیمین کے اعتراض کا تجزیہ

میرے نزدیک یہ عثیمین کی طرف سے بہت بڑی جسارت ہے ہم اللہ سے عافیت مانگتے ہیں۔

کلمہ "اذ" مستقبل کے لئے بھی آتا ہے

(اذ) کا حرف زمانہ ماضی کے ساتھ اختصاص محلِ نظر ہے۔ کیونکہ کلمہ "اذ" جیسے فعل ماضی کے لیے استعمال ہوتا ہے ایسے ہی فعل مستقبل کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اور اس کے کئی اور معانی بھی ہیں جنہیں ابن ہشام نے مغنی اللبیت میں (۱ : ۸۰-۸۳) میں ذکر کیا ہے۔

امام ازھری نے اذ کے مستقبل کے لئے مستعمل ہونے پر تصریح کرتے ہوئے "تھذیب اللغۃ" (۱۵ : ۴۸) میں کہا اہل عرب (اذ) کو مستقبل اور (اذا) کو ماضی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

ولو تری اذ فزعوا۔ (سورۃ سباء، ۵۱)

میں کہتا ہوں کہ اذ ان آیات میں مستقبل کے لیے استعمال ہوا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

ولو تری اذ وقفوا علی النار۔ (الانعام، ۲۷)

ولو تری اذ وقفوا علی ربھم۔ (الانعام، ۳۰)

ولو تری اذ الظالمون فی غمرات الموت۔ (الانعام، ۹۳)

ولو تری اذ المجرمون ناکسوا رؤسھم عند ربھم (السجدہ، ۱۲)

ان تمام آیات میں اذ مستقبل کے لئے استعمال ہوا ہے لہٰذا عثیمن کا یہ کہنا کہ یہ صرف ماضی کے لیے استعمال ہوتا ہے غلط ہے۔

وصال کے بعد آپ کے بخشش کی سفارش کرنے پر دلائل

اور اس کا یہ کہنا کہ آپ کا وصال کے بعد بخشش کی سفارش کرنا ناممکن ہے کیونکہ جب آدمی مرتا ہے تو اس کے تین اعمال کے سوا تمام اعمال منقطع ہو جاتے ہیں۔
ہم کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سفارش فرمانا کئی دلائل کی بنا پر ممکن ہے۔

۱۔ انبیاء قبور میں زندہ ہیں

حدیث صحیح میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الانبیاء احیاءٌ فی قبورھم یصلون۔ — انبیاء کرام اپنی قبور میں زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

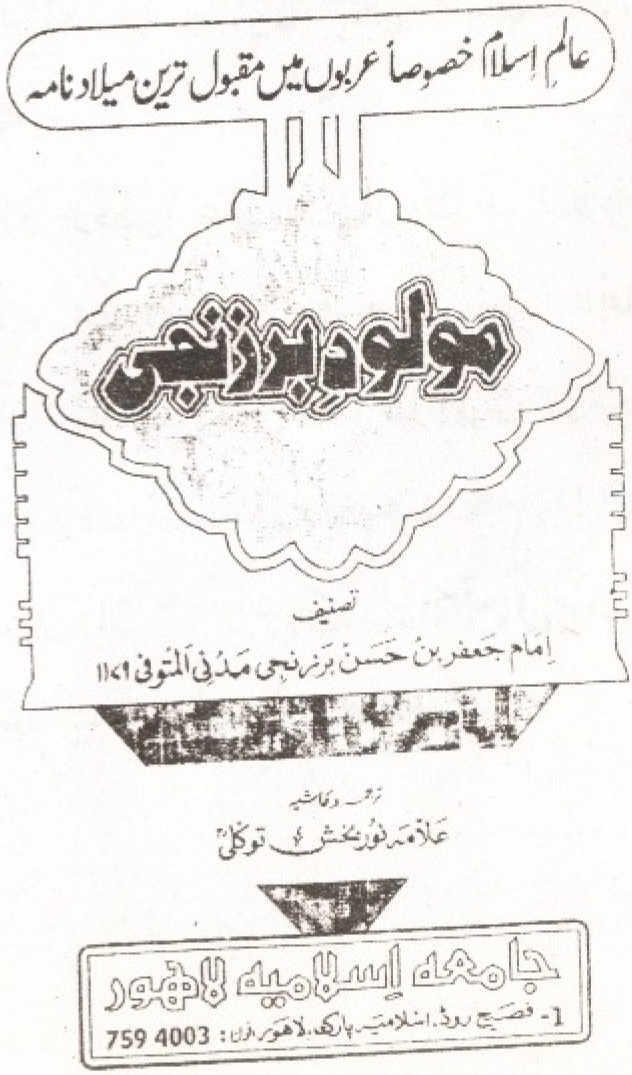

اس کو امام بیہقی نے "حیاۃ الانبیاء" (ص ۱۵) میں، امام ابویعلی نے "مسند ابویعلی" (ص ۶: ۱۴۷)، امام ابونعیم نے "اخبار اصبہان" (۲: ۴۴) امام ابن عدی نے "الکامل" (۷: ۷۳۹) میں روایت کیا۔

امام ہیثمی نے "المجمع الزوائد" (۸: ۲۱۱) میں فرمایا کہ ابویعلی کے رواۃ ثقہ ہیں اور حدیث کی کئی سندیں ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قبر میں نماز پڑھنا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مررت علی موسی وھو	میں حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرا
قائم یصلی فی قبرہٖ	تو وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔

(مسلم شریف ۴: ۱۸۴۵، مسند احمد ۳: ۱۲۰، شرح السنہ للبغوی ۱۳: ۳۵۱ وغیرہم)

علامہ ابن القیم نے قصیدہ نونیہ میں حیاۃ الانبیاء پہ کلام کرتے ہوئے لکھا

والرسل اکمل حالۃ منہ بلا — شک وھذا ظاھر التبیان

فلذلک کانوا بالحیاۃ احق من — شھدائنا بالعقل والبرھان

وبأن نکاحہ لم ینفسخ — فنساؤہ فی عصمۃ وحیان

ولاجل ھذا لم یحل لغیرہ — منھن واحدۃ مدی الأزمان

أفلیس فی ھذا دلیل انہ — حی لمن کانت أذ فان

(حضرات انبیاء کرام شہداء سے بے شک افضل واکمل ہیں۔ اس پہ ظاہر دلائل ہیں۔ اسی لئے وہ ہمارے شہداء سے عقل ونقل کے لحاظ سے حیات کے زیادہ حقدار ہیں کیونکہ ان کا نکاح فسخ نہیں۔ پس ان کی عورتیں عصمت وپاکیزگی کے ساتھ

متصف ہیں۔ اسی لئے ان کی بیویوں میں سے کوئی ایک بھی کسی غیر پہ رہتی دنیا تک حلال نہیں ہے۔ کیا اس میں ہر انسان کے لئے دلیل نہیں کہ آپ زندۂ جاوید ہیں۔ (النونیہ مع شرح ابن عیسیٰ ۲، ۱۶۰ : ۲)

۲۔ آپ نے تمام انبیاء کو جماعت کروائی

حدیث صحیح اور تواتر سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات تمام انبیاء کرام کو بیت المقدس میں نماز پڑھائی۔ حالانکہ وہ تمام وصال فرما چکے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نمازوں میں تخفیف کے لئے آپ کو لوٹانا اور ان کے علاوہ دیگر انبیاء کو آپ کا آسمانوں میں دیکھنا ثابت ہے۔

پس جب یہ ممکن ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے امت کے لئے استغفار کیسے ناممکن ہو سکتا ہے۔؟

اور نماز کیا ہے؟ دعا، استغفار اور تضرع کا مجموعہ ہی تو ہے۔

۳۔ تمہارے بُرے اعمال پر میں بخشش طلب کروں گا

صحیح حدیث میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حیاتی خیر لکم تحدثون
ویحدث لکم ووفاتی
خیر لکم تعرض علی اعمالکم
فما رأیت من خیر حمدت
اللہ علیہ وما رأیت من شر
استغفرت لکم۔

میری حیات تمہارے لئے بہتر ہے۔ تم مجھ سے گفتگو کرتے ہو اور تم سے گفتگو کی جاتی ہے اور میرا وصال بھی تمہارے لئے بہتر ہے۔ ہم پہ تمہارے اعمال پیش کئے جائیں گے پس جس عمل کو اچھا دیکھیں گے تو اللہ کا شکر ادا کریں گے اور اگر بُرے اعمال ہوئے تو تمہارے لئے اللہ سے استغفار طلب کریں گے۔

یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے بارے مین حافظ عراقی نے (طرح التثریب ۳ : ۲۹۷) میں فرمایا ۔ اس کی سند جیّد (عمدہ) ہے ۔ اور امام ھیثمی نے (مجمع الزوائد ۹ : ۲۴) میں کہا اس حدیث کو بزار نے روایت کیا ہے اور اس کے راوی صحاح کے راوی ہیں ۔ امام سیوطی نے (الخصائص الکبریٰ ۲ : ۲۸۱) میں اس کو صحیح کہا ۔

امام عراقی اور ھیثمی نے جو کلام کیا ہے وہ صرف بزار کی سند کے بارے میں ہے ورنہ حدیث صحیح ہے جیسا کہ حافظ سیوطی نے فرمایا ہے ۔ اور اس پہ تفصیلی کلام انشاء اللہ آئندہ صفحات میں آئے گا ۔

۴ ۔ آپ کی دُعاءِ مغفرت ہر مسلمان کو حاصل ہے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار فرمانا تمام مومنین کے لئے عام ہے چاہے کسی خوش نصیب نے آپ کی ظاہرہ حیات کا زمانہ پایا ہے یا کسی حرماں نصیب نے یہ مبارک دور نہ دیکھا ہو ۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے :

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ۔	اے محبوب اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی طلب کرو ۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت عظیم نعمت ہے اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ایک ہے ۔

سابقہ گفتگو سے یہ معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ میں تین امور کا ذکر ہے ۔

۱ ۔ بارگاہِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہونا ۔

۲ ۔ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا ۔

۳۔ اہلِ ایمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مغفرت طلب کرنا۔

اور یہ تینوں چیزیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری اور وصال میں حاصل و موجود ہیں۔

اعتبار سبب کا نہیں بلکہ عموم الفاظ کا کیا جاتا ہے

اور یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا چونکہ یہ آیت خاص لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی لہٰذا انہیں کے ساتھ مخصوص رہے گی۔ کیونکہ یہ قاعدہ معروف و مسلّم ہے کہ

العبرۃ لعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔

عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے خصوصیت سبب کا اعتبار نہیں۔

یہی وجہ ہے مفسّرین کرام نے اس آیت کریمہ سے عموم ہی سمجھا اور کہا۔ جو شخص روضۂ اقدس پہ حاضر ہو اس کے لیے یہ آیتِ مبارکہ پڑھنا مستحب ہے۔ اس کے بعد اللہ سے معافی مانگے۔

"وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَ اسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔

اور جب کبھی وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں تو اے محبوب وہ تمہارے پاس حاضر ہو جائیں پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگیں اور رسول بھی ان کے لئے شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

تفاسیر اور کُتبِ مناسک کی اِستدلال پہ تائید

ہمارے سامنے مذاہب اربعہ کی تفاسیر اور مناسکِ حج پر لکھی ہوئی تصانیف

ہیں جن سے واضح ہے کہ اس آیت کریمہ سے زیارت پر استدلال درست ہے۔

ہم زیادہ دور کیوں جائیں یہ علامہ ابو محمد ابن قدامہ حنبلی صاحب المغنی کو لے لیجئے جن کے متعلق ابنِ تیمیہ نے کہا ہے کہ شام میں امام اوزاعی کے بعد ابنِ قدامہ سے بڑا فقیہ نہیں آیا۔

انہوں نے روضۂ اقدس کی حاضری کے وقت یہی آیتِ کریمہ ذکر کی ہے (۳: ۵۹۰) جیساکہ اسی کتاب میں پہلے (   ) ذکر ہوچکا ہے۔

اور طریقۂ زیارۃ قبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھا ہے۔

پھر روضہ شریف پر حاضر ہو۔ قبلہ کی طرف پُشت کرے اور روضۂ اقدس کی کی درمیانی جالی کی طرف رخ کرکے یوں عرض کرے:

السلام علیک ایھا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ	اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر سلامتی اور اللہ کی رحمت وبرکتیں ہوں۔
السلام علیک یا نبی اللہ وخیرتہ من خلقہ۔	اے اللہ کے نبی اور اس کی تمام مخلوق سے افضل ترین ہستی۔

آگے چل کر کہا:

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود عرض کرنے کے بعد یوں عرض کرے:

"اے اللہ تیرا ہی فرمان ہے اور تیرا فرمان سچ ہے:

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔	اگر وہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھیں تو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوں اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت مانگیں اور نبی مکرم بھی ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول کرنیوالا

رحم فرمانے والا پائیں گے۔

وقد آتیتک مستغفراً من ذنوبی متشفعاً بک الٰی ربّی فاسئلک یا رب ان توجب لی المغفرۃ کما اوجبتھا لمن اتاہ فی حیاتہ اللّٰھم اجعلہ اول الشافعین، وانجح السائلین، واکرم الآخرین والاولین، برحمتک یا ارحم الرّاحمین۔

میں اپنے گناہوں کی بخشش کا طلبگار ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شفاعت کی امید لیے حاضر ہو گیا ہوں اور اے میرے رب میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ تو میرے لیے بخشش ثابت فرمادے جیسے تو نے اس شخص کے لیے بخشش فرمائی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اے اللہ اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی رحمت کے ساتھ سب سے پہلا شفاعت فرمانے والا اور کامیاب سوال کرنے والا اگلوں اور پچھلوں میں سب سے زیادہ عزت والا بنادے۔

پھر اپنے والدین بھائیوں اور تمام مسلمانوں کے لیے دعا کرے۔

(آپ کا کلام اختصار کے ساتھ ختم ہوا)

تمام اُمت کے نیک اعمال کا اجر آپ بھی پارہے ہیں

عثیمین کی اس بات پر کلام باقی رہ گیا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وصال فرماگئے

ہیں تو تین اعمال کے سوا نیک عمل کا امکان ختم ہو گیا ..... الخ

میں کہتا ہوں کہ ہمارے آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے کمالات اور خصوصیات ہیں جو کسی دوسرے میں نہیں پائی گئیں ۔ اور یہی بات ابنِ تیمیہ نے اپنی کتاب " الصارم المسلول علی شاتم الرسول " جو کہ ان کی تمام تصانیف سے اچھی ہے ، میں کہی ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات قیامت تک بلند ہوتے رہیں گے ۔

اور یہ بات تو مسلمہ اور ضرورياتِ دین میں سے ہے اور کُتبِ خصائص و دلائل النبوۃ ، شفاء شریف وغیرہ اور اس کی شرح میں اس چیز کو ثابت کیا گیا ہے ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

من دعا الی ھدی کان له	جس شخص نے ہدایت کی طرف دعوت
من الاجر مثل اجور من	دی اس کے لیے اتنا اجر ہے جتنا
اتبعه لا ینقص من اجورھم	پیروی کرنے والوں کا جبکہ ان کے
شیئا ۔ (مسلم شریف)	اجر و ثواب میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی ۔

یہ تمام اعمالِ صالح جو امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام سے جو صادر ہو رہے ہیں یہ تمام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتِ حق سے ہی وابستہ ہیں ۔ اسی طرح ان اعمال صالح کا ثواب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچتا ہے اور آپ اس سے متمتع ہوتے ہیں ۔ باوجودیکہ امت کے اجر و ثواب میں بھی کچھ کمی واقع نہیں ہوتی ۔

اسی درست رائے کے بارے میں ابنِ تیمیہ نے (فتاویٰ ۱ : ۱۹۱) میں کہا ہے:
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح روایت ہے ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"جس نے ہدایت کی دعوت دی اس کے لئے اتنا ہی ثواب ہے جتنا پیروی

دعمل، کرنے والوں کے لیے، جب کہ ان کے اجر و ثواب میں بھی کوئی کمی واقع نہ ہو گی۔"

امت جو نیکیاں اور اعمالِ خیر کر رہی ہے اس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی بلانے والے ہیں۔ پس جو عمل بھی امتی کریں اس کا ثواب و اجر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچتا رہتا ہے۔ اور امتیوں کے اجر میں بھی کمی نہیں ہوتی۔

حاصل کلام یہ کہ یہ بات کرتے وقت ابن عثیمن پھسل گیا ہے۔

ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اس بات سے کہ آدمی بغیر علم کے اللہ کی کتاب میں کلام کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس میں گستاخی کرتے ہوئے زیادتی کرے۔

محفلِ میلاد پر اعتراضات کا علمی محاسبہ

تالیف

مفتی محمد خان قادری

عالمی دعوتِ اسلامیہ
۱۔ فصیح روڈ۔ اسلامیہ پارک۔ لاہور

دوسرا باب

احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اور

زیارتِ نبوی

اِس سلسلہ میں احادیث دو طرح کی ہیں :

۱۔ ایسی احادیث جو مطلق زیارتِ قبور پہ دلالت کرتی ہیں اور یہ متعدد الفاظ کے ساتھ مروی اور حدِ تواتر کو پہنچی ہیں جیسا کہ نظم المتناثر ، ۸۰ ـ ۸۱ اور اتحاف ذو الفضائل المشتہرہ ، ۹۷ میں ہے ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو زیادہ مشہور الفاظ مروی ہیں وہ ہیں :

کنت قد نہیتکم من زیارۃ القبور فزوروھا فانھا تذکر الآخرۃ ۔	میں نے تمہیں قبور کی زیارت سے منع کیا اب زیارت کیا کرو کیونکہ یہ آخرت کو یاد دلاتی ہے ۔

اور یہ الفاظ بھی ہیں :

فمن اراد ان یزور القبور فلیزر ولا تقولوا ھُجرًا ۔	زیارت قبور کرنے والا زیارت کرے اور بُرا نہ کہے

اسے امام نسائی نے اپنی سنن ، ۴ : ۷۳ میں روایت کیا ہے ۔

اور فعل شرط کے ساتھ عموم کا فائدہ دیتا ہے اور کوئی حدیث اس کی مختص نہیں ہے ۔ اور پیارے آقا سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ انور تمام قبور سے علی الاطلاق افضل و اعلیٰ ہے اور وہ زیارت کی زیادہ حق دار ہے ۔

یہاں ایک اشکال بھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ

جب حصولِ علم، رشتہ داروں اور مسلمان بھائی کی زیارت اور تجارت کے لیے سفر کے جواز پر تمام کا اتفاق ہے تو کیا وجہ ہے کہ احادیث زیارت قبور کو مخصوص کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ اس کا جواز عدم سفر کے متصل ہے ۔

بلاشک جو مطلق زیارتِ قبور کی احادیث کو مقید کرتا ہے وہ عقل و فکر سے عاری ہے ۔

تنبیہہ

لفظ زیارت سے لازم آتا ہے کہ ایک جگہ سے دوسری جگہ جایا جائے ۔ پس شارع علیہ السلام نے ایک جگہ سے دوسری جگہ زیارت کے لیے جانے پر ابھارا ہے ۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ ابن تیمیہ نے الرد علی الأخنائی ، ، میں کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا فزوروا القبور (قبور کی زیارت کرو) یہ صرف مطلق زیارت یا اس کے استحباب یا جواز پر دال ہے لیکن اس سے سفر کرنا نہ تو استحباباً لازم آتا ہے اور نہ ہی اباحتاً ۔

میری گذارش یہ ہے کہ حدیث عام ہے اور اس کو خاص بھی کوئی چیز بھی نہیں کر رہی اور اصول طے شدہ ہے کہ جب کوئی شے پائی جائے گی تو اپنے تمام لوازم کے ساتھ پائی جائے گی ۔

اور پھر اس پر مزید یہ کہ جب زیارۃ انتقال سفر کے ساتھ متعلق ہے تو کوئی دلیل اس کو منع کرنے والی نہیں ہے ۔

اور اختلاف کے وقت رجوع شرع کی طرف کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا :

فان تنازعتم فی شی فردوہ	پس اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو
الی اللہ والرسول ان کنتم	اسے اللہ اور اس کے رسول کے حضور

تومنون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر وَ احسن تأویلا۔ (النسآء، ۵۹)	رجوع کرو۔ اگر اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے۔

اور شارع علیہ السلام نے سفر کو زیارت کا نام دیا ہے جس میں تاویل کا احتمال ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ان رجلاً زار أخاً لہ فی قریۃ اخری فارصد اللہ علی مدرجتہ ملکاً فلما أتی علیہ قال: این ترید؟ قال: أرید أخالی فی تلک القریۃ قال: ھل لک علیہ من نعمۃ تربھا؟ فقال: لا غیر أنی احببتہ فی اللہ عزو جل: فقال انی رسول اللہ الیک بان اللہ احبک کما احببتہ۔	ایک شخص اپنے بھائی کی ملاقات کرتے دوسری بستی میں گیا، اللہ تعالیٰ نے اسکے راستے میں ایک فرشتہ مقرر کردیا، جب وہ شخص اس فرشتے کے پاس پہنچا تو اس نے پوچھا، کہاں کا ارادہ ہے؟ کہنے لگا میرا ایک بھائی فلاں گاؤں میں ہے، اس کے پاس جانیکا ارادہ ہے، فرشتے نے کہا کیا تمہارا اس پر کوئی احسان ہے، جسکی تکمیل چاہتے ہو؟ اس شخص نے کہا نہیں مجھے اس سے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے محبت ہے فرشتے نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تیرے پاس بھیجا ہے بے شک اللہ تعالیٰ کو تم سے محبت ہے جیسے تمہیں اپنے بھائی سے محبت ہے۔

(صحیح مسلم، ۴: ۱۹۸۸)

پس شارع علیہ السلام نے ایک بستی سے دوسری بستی کی طرف سفر کو زیارت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور لفظ زیارت میں سفر اور عدم سفر دونوں کا احتمال ہے۔ اور لفظ زیارت کو دونوں میں سے ایک کے ساتھ مخصوص کرنا کہ زیارت صرف

بغیر سفر کے ہی ہے تو یہ نص پر سینہ زوری اور زیادتی ہے اور اصولِ شرع کی مخالفت

فائدہ

حافظ ابوزرعہ عراقی نے طرح التثریب ۶: ۴۳ میں کہا ہے کہ

میرے والد ماجد (الحافظ الکبیر ولی اللہ عراقی رحمہ اللہ تعالیٰ حکایت کرتے ہیں کہ میں شیخ زین الدین عبدالرحیم بن رجب الحنبلی کے ساتھ تھا کہ جب وہ حضرت خلیل علیہ السلام کے شہر کی طرف جا رہے تھے۔ جب ہم شہر کے قریب پہنچے تو شیخ ابن رجب نے کہا میں حضرت خلیل علیہ السلام کی مسجد میں نماز پڑھنے کی نیت کرتا ہوں تاکہ میں ابن تیمیہ کے طریقہ پر عمل کرتے ہوئے زیارت کے لیے شدِ رحال سے بچ سکوں۔ تو میں نے کہا کہ میں قبر خلیل علیہ السلام کی زیارت کی نیت کرتا ہوں۔ پھر میں نے ان سے کہا کہ آپ نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد۔

کہ تین مساجد کے سوا کسی طرف بھی کجاوے نہ کسے جائیں اور آپ نے چوتھی مسجد کی طرف کجاوہ کسا ہے۔

اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

زوروا القبور

قبروں کی زیارت کیا کرو

کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان مبارک میں قبور انبیاء کا استثناء فرمایا ہے؟

تو اس پر ابن رجب مبہوت و خاموش ہو گئے۔

امام عراقی کبیر، حافظ فقیہ اور بہت بڑے اصولی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام پر

رحم کرے ۔

بلاشبہ جو شخص ان احادیث کو مقید کرے گا جو کہ مطلق زیارتِ قبور میں وارد ہیں تو وہ بھٹک گیا (فتدبر)

۲۔ دوسری وہ احادیث ہیں جو فقط آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ منورہ کی زیارت میں وارد ہیں ان میں سے وہ حدیث شریف ہے جو کہ حسن بلکہ بعض ائمہ نے اس کو صحیح اور بعض نے حسن کہا ہے جیسا کہ محدث ابن السکن امام السبکی اور سیوطی اور اس کے حسن ہونے پر امام ذہبی کی عبارت میں بھی تصریح ہے ۔

ان احادیث میں سے سب سے اچھی سند کے لحاظ سے وہ حدیث جو کہ اس سند سے مروی ہے ۔

موسی بن هلال العبدی عن عبد الله بن عمر العمری وعبید الله بن عمر العمری عن نافع عن ابن عمر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم : من زار قبری وجبت له شفاعتی ۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے میری قبر منورہ کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی ۔

صحیح یہ ہے کہ عبدی نے العمری صغیر اور کبیر دونوں سے روایت کی ہے اور العمری الکبیر میں اگرچہ کچھ کلام ہے لیکن وہ حسن الحدیث ہے اور امام ابن معین نے اس کی روایت عن نافع میں فرمایا کہ یہ صالح اور ثقہ ہے ۔

ضروری ہے کہ ہم قاری کی نظر اس طرف متوجہ کریں کہ ابن الهادی جس نے العمری الکبیر کے بارے میں تمام جرحی کلمات نقل کئے ہیں وہ بھی کہتا ہے کہ یہ حسن الحدیث

ہے اور اس حدیث کو "تنقیح التحقیق، ۱: ۱۲۲" میں حسن قرار دیتے ہوئے کہا ہے:

امام الجرح والتعدیل ابنِ معین وغیرہ کہ جن آئمہ نے العمری الکبیر کی حدیث کو قبول کیا ہے وہ حجت ہے۔

اور یہ موسٰی بن ہلال العبدی، اس سے بہت سارے ائمہ دین نے روایت لی ہے۔ اور وہ امام احمد کے شیوخ میں سے ہیں۔ اور امام ذہبی نے امام احمد سے ان کے بارے میں "میزان" (۴: ۲۲۶) میں نقل فرمایا کہ وہ صالح الحدیث ہے اور امام ابن عدی نے کہا:

ارجوانہ لا بأس بہ۔ میرے خیال میں اس سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اور احادیثِ زیارت میں سے ایک وہ حدیث ہے جو سنن ابی داؤد میں امام ابی داؤد سجستانی کے طریقہ پہ صالح الاحتجاج ہے یعنی اس سے احتجاج کیا جاسکتا ہے۔ اور اپنے مقام پہ انشاءاللہ مفصل آئے گا۔

صحیح اور معتدل قول یہی ہے کہ احادیثِ زیارت ثبوتِ دعوٰی پہ قیام دلیل کی صلاحیت رکھتی ہیں اور جس نے ان پہ موضوع ہونے کا حکم لگایا جیسا کہ بعض کا زعم باطل ہے تو یہ بہت بُری جرأت ہے۔

تیسرا باب

زیارت اور اجماعِ اُمّت

جن علماءِ کرام نے اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے ان میں سے قاضی عیاض مالکی ہیں۔ آپ نے الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکر کیا۔

زیارة قبرہ صلی اللہ علیہ وسلم سنة من سنن المسلمین مجمع علیھا وفضیلة مرغب فیھا۔ (الشفاء، ۲: ۷۳)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مقدسہ کی زیارت مسلمانوں کے اعمال میں سے ایسا عمل ہے کہ اس پر اجماع ہو چکا اور یہ ایسی فضیلت ہے کہ جس کی ترغیب دی گئی ہے۔

علامہ شوکانی "نیل الاوطار" میں لکھتے ہیں:

جس نے روضۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کو جائز قرار دیا اس نے یہ دلیل بھی دی ہے کہ حج کا ارادہ کرنے والے مختلف مذاہب اور علاقوں سے تعلق رکھنے والے مسلمانوں کا ہمیشہ سے دستور چلا آرہا ہے کہ زیارتِ روضۂ منورہ کے لیے مدینہ پہنچتے ہیں اور اس کو افضل ترین اعمال میں شمار کرتے ہیں اور ان کی طرف سے اجماع ہے۔

(نیل الاوطار، ۳ : ۱۱۰)

اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے "ابراز الغی الواقع فی شفاء العی" میں لکھا ہے:

جہاں تک نفسِ روضہ مقدسہ کی زیارت کا معاملہ ہے تو ابنِ تیمیہ تک علماءِ امت اور ائمہ ملت میں سے کسی نے بھی عدم جواز کا فتویٰ نہیں دیا۔ بلکہ سب نے بالاتفاق اس

افضل ترین عبادات اور بلند ترین اطاعتوں میں شمار کیا۔ اس میں تو اختلاف ہے کہ یہ زیارت مستحب ہے یا واجب! بہت سارے علماء نے فرمایا یہ مستحب ہے جبکہ بعض مالکیوں اور تمام اہلِ ظاہر (غیر مقلّدین) نے اس کو واجب قرار دیا ہے۔ اور احناف میں سے اکثر نے اس کو واجب کے قریب قرار دیا ہے اور احناف کے نزدیک جو چیز واجب کے قریب ہو وہ واجب کے ہی حکم میں ہوتی ہے۔ اور سب سے پہلے جس نے اجماع کو توڑا اور ایسی شی لایا کہ اس سے پہلے کسی عالمِ دین نے ایسی بات نہ کی، صرف اور صرف ابنِ تیمیہ ہے۔

کلامِ ائمہ کی غلط تاویل اور اس کا رد

اور مخالفِ زیارت اس کے متعارض کئی توہمات پیش کرتا ہے لیکن کوئی اعتراض اس کا ایسا نہیں جو تسلی و تشفّی بخش ہو۔ انہی بے سروپا باتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ اس اجماع مذکور کا تو معترف ہے لیکن کلامِ علماء میں تحریف کرتا ہوا کہتا ہے کہ ان لوگوں کا مقصود بغیر شدِ رحال کے زیارتِ قبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور اگر شدِ رحال پایا جاتا تھا تو پھر ان کا مقصد سفر زیارتِ مسجد کے لیے ہوتا تھا۔ لیکن اس کا یہ مکر اور تاویل بالکل باطل ہے۔ حضراتِ فقہاء و علماء کی سابقہ تصریحات اس تاویل کو باطل کرتی ہے۔

ایک لاکھ نماز کا ثواب چھوڑ کر ہزار نماز کا ثواب لینے کون جاتا ہے!

کون شخص ہے جو اس سفر کی مشقّت صرف ایک ہزار نماز کا ثواب پانے کے لیے اٹھائے جبکہ اس کے لیے ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نماز کے برابر ثواب کا حصول ممکن ہو تو کون شخص ہے جو اتنے بڑے ثواب کی قربانی دے۔؟

بلا شک وشبہ جس نے بھی مدینہ طیبہ کی طرف سامان سفر باندھا اور اتنا خرچ کیا یہ عظیم سفر صرف اور صرف اسی بقعہ مبارکہ کی زیارت کے لیے ہے کہ جس میں حبیب رب العالمین وامام المرسلین وسید ولد آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام آرام فرما ہیں (اللہ تعالےٰ مزید اس بقعہ پر برکت فرمائے اور اس کی فضیلت وشرف کو دوبالا فرمائے)۔

کوئی یہ گمان نہ کرے کہ ہم مسجد نبوی علی صاحبہا علیہ الصلاۃ والسلام کی فضیلت کے منکر ہیں۔ ہرگز ہرگز نہیں۔

مسجد نبوی کی فضیلت اپنی جگہ مسلم لیکن یہ مسجد حرام سے فضیلت میں کم ہے جیسا کہ نص۔ وارد ہے۔

اور اگر فقط سامان سفر باندھنا صرف اجر حاصل کرنے کے لیے ہی ہے تو پھر مسجد حرام اس سے زیادہ اولی واحق ہے۔

کیا مسجد نبوی کی طرح مسجد اقصیٰ کا بھی قصد کیا جاتا ہے

غور وفکر کرو (اللہ ہم پر رحم فرمائے) کیا مسجد اقصیٰ کی طرف رخت سفر باندھا جاتا جیسا کہ مسجد نبوی کیطرف باندھا جاتا ہے۔ حالانکہ مسجد اقصیٰ کی بھی فضیلت مسلمہ ہے یہ بہت واضح اور بڑی دلیل — اور قوی برہان ہے کہ جو انہیں عزائم اور سفروں پر ابھار رہی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہی تو ہے۔

اے مخاطب اس بات پر دھیان رہے کہ صرف مسجد نبوی کیطرف سامان سفر باندھنا یہ ابن تیمیہ سے پہلے کسی شخص نے بھی نہیں کیا۔

حاصل کلام یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر منورہ کی زیارت کے جواز پر قولی اور عملی اجماع ایسے ہی ظاہر وثابت ہے جیسے کہ پہاڑ لنگر ڈالے کھڑے ثابت وظاہر ہیں! والحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات)

اور پھر جو الفاظ امام مالک سے زیارت گنبد خضریٰ کے بارے میں وارد ہیں وہ اجماع کے خلاف نہیں ہیں کیونکہ ان الفاظ کا جواب و محمل انہی کے اصحاب نے واضح کردیا ہے جیساکہ اپنے محل پر اس کا بیان ہے۔ اور اسی کے مثل معاملہ ہے امام محمد الجوینی کے الفاظ کا جو کہ نذر کے متعلق ہیں۔ کیونکہ ان کا تعلق زیارت روضہ مقدسہ سے ہرگز نہیں ہے۔ جیساکہ امام تقی الدین السبکی نے شفاء السقام ص ۱۲۱ تا ۱۲۳ تحقیق کی ہے۔

فرمان نبوی

لاتشد الرحال کا صحیح مفہوم!

یہ حدیث شریف زیارت کی ممانعت پر دلالت نہیں کرتی۔

مخفی نہ رہے کہ ساتویں صدی ہجری میں تنہا ابن تیمیہ نے سفر زیارت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منع ہونے پر فتویٰ دیا۔ اور اس کے شاگرد ابن عبد الہادی نے اس کے فتاویٰ سے اکثر جگہ پر نقل کیا ہے کہ ابن تیمیہ نے صرف زیارت نبوی کے لئے سفر کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

اور ابن تیمیہ کے فتویٰ جات اور مناظرات و تصنیفات اور اس کے فتنوں کا تعاقب کیا گیا۔ اور اکثر علماکرام نے اس کے رد میں کتب و مقالات لکھے۔

الحافظ الامام ابن حجر عسقلانی

نے اس فتنہ کی طرف اشارہ کرنے کے بعد فرمایا۔

حاصل کلام یہ کہ علمائے نے ابن تیمیہ پر یہ الزام لگایا کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اقدس کی طرف سفر کرنے کو حرام کہتا ہے۔

پھر حافظ صاحب نے فرمایا۔

کہ یہ مسائل میں سے بدترین مسئلہ ہے جو ابن تیمیہ سے صادر ہوا ہے۔

(الفتح الباری ۵/۶۶)

امام حافظ ابو زرعہ العراقی :

نے اپنے بعض جوابات جو کہ : الاجوبة المرضية عن الاسئلة المكية:
کے نام سے مشہور ہیں اس میں ایسے مسائل تحریر کیے ہیں جن میں ابن تیمیہ : منفرد (تنہا) ہے۔

فرماتے ہیں ابن تیمیہ کے بہت قبیح مسائل میں سے مسئلہ طلاق اور مسئلہ زیارت ہے اور ان دونوں کا رد بلیغ امام تقی الدین السبکی نے کیا ہے اور اس سلسلہ میں مستقل تصنیف لکھی ہے اور بہت خوب رد کیا ہے۔

اسی طرح دوسرے مقام پر " طرح التثریب ۲/۴۳ھ میں فرمایا۔
اور شیخ ابن تیمیہ سے اس مقام پر عجیب قبیح کلام صادر ہوا ہے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر منورہ کی طرف سامان سفر باندھنے کی حرمت کو متضمن ہے۔ یہ کلام نیکی نہیں بلکہ اس کی ضد ہے۔ اور اس پر امام تقی الدین السبکی نے شفاء السقام میں اس کا خوب رد کر کے اہل ایمان کے دلوں کو شفا دی ہے۔

حافظ صلاح الدین خلیل بن کیکلدی العلائیؒ

نے ان مسائل میں جن میں ابن تیمیہ متفرد ہے کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ کہ ان مسائل میں سے وہ مسئلہ شنیعہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر پر جانا گناہ ہے لہذا اس میں نماز قصر نہیں کی جائے گی۔ اور اس مسئلہ میں وہ حد سے گزر گیا حالانکہ اس سے پہلے مسلمانوں میں سے کسی ایک عالم نے بھی ایسی بات نہیں کی۔

(تکملة الرد علی النونیه، ۱۴۳)

اس کے اس قول نے امت میں فتنوں کا دروازہ کھول دیا اور اللہ اس کا فیصلہ فرمائے اور اس کے فیصلوں کو کوئی رد کرنے والا نہیں ہے۔

ابن تیمیہ کی سب سے بڑی دلیل کا تفصیلی رد

ابن تیمیہ کی روضہ رسول کی طرف عدم سفر پر سب سے بڑی دلیل یہ حدیث ہے۔ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد المسجد الحرام والمسجد الاقصی ومسجدی ھذا۔

سامان سفر نہ باندھا جائے سوائے ان تین مساجد کے۔ مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے۔

تو اس سے استدلال ـــــ کا کئی وجوہ سے جواب دیا گیا ہے۔

۱۔ اس حدیث میں استثناء مُفرّغ ہے (کہ یہاں مستثنیٰ منہ مقدر ہوتا ہے)۔
لہذا مستثنیٰ منہ مقدر ماننا لازمی ہے۔ وہ اگر عام ہو تو اس کے لیے مستثنیٰ منہ بھی عام ہی نکالا جائے گا کیونکہ استثنا معیار عموم ہے تو اب عبارت یوں ہو گی۔

لا تشد الرحال الی مکان الا الی المساجد الثلاثة۔

تین مساجد کے علاوہ کسی جگہ کے لئے بھی سامان سفر نہیں باندھا جائیگا۔

تو یہ بات بالبداہت باطل ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ہر سفر منع و ناجائز ہو جائیگا۔

مسلمہ نحوی قاعدہ

لیکن یہ ضابطہ واضح رہے کہ مستثنیٰ متصل کے لیے مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہونا ضروری ہے۔

شیخ ابن النجار حنبلی نے (شرح الکوکب المنیر ۳/۲۸۶) میں استثناء پر گفتگو

کرتے ہوئے کہا۔ غیر جنس سے بھی استثناء صحیح نہیں ہوتا جیسے کہ جاء القوم الا حمار۔ (قوم آئی سوائے گدھے کے) کیونکہ گدھا قوم میں داخل نہیں ہے یا جیسے

عندی مائة درھم الا دینار　　تیرے پاس سو درہم ہیں سوائے دینار کے۔

صحیح روایت کے مطابق امام احمد سے بھی یہی مروی ہے اور ہمارے اصحاب (حنابلہ) میں سے اکثریت نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ امام غزالی نے (المنخول ۱۵۹) میں اسی کو پسند کیا ہے۔

جس نے بھی غیر جنس سے استثناء کے جواز کا قول کیا ہے تو وہ مجازاً ہے۔ کیونکہ حقیقی طور پر یہ کہنا صحیح نہیں قام القوم الا حماراً (قوم کھڑی ہوئی مگر گدھا) ہاں اگر اس سے مراد مجازاً بے وقوف آدمی ہو تو پھر جائز ہوگا۔ ابن بدران نے "المدخل ۱۱۷) میں اسی طرح بیان کیا ہے اور اسی میں ہے کہ: الخرقی نے مختصر میں کہا ہے جس نے کسی شئے کا اقرار کرتے ہوئے غیر جنس سے استثناء کیا تو یہ استثنا باطل ہوگا۔

اور امام ابو اسحاق شیرازی نے (اللمع ص ۲۳۰-۲۳۰ مع شرح نزھة المشتاق للشیخ یحیی امان المکی میں اسی بات کو واضح کیا کہ غیر جنس سے استثناء از قبیل مجاز ہوتا ہے۔ مختار قول یہی ہے کہ مستثنیٰ کا مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہونا ضروری ہے اور یہی مذہب حنابلہ کا ہے اور جس نے اس کے سوا کو جائز کہا ہے تو وہ مجازاً کہا ہے۔ لہذا اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف نہیں بلکہ اتفاق واتحاد ہے۔

جب یہ اصول واضح ہوگیا تو اب اس حدیث میں مقدر مستثنیٰ منہ مستثنیٰ کی جنس ہی سے ہوگا تو اب عبارت حدیث یوں ہوگی۔

لا تشد الرحال الی (مسجد) الا　　کہ تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کیطرف

کا مطلب یہ ہے کہ وہ نوع اور وصف میں مستثنیٰ کے مناسب ہو مثلاً آپ کہتے ہیں ما رأیت الا زیداً۔ اب تقدیراً عبارت یوں ہوگی ما رایت رجلاً او احداً الا زیداً یہ نہیں ہو سکتی، ما رایت شیاءً او حیوانًا الا زیداً۔ تو اسی اصول کے تحت حدیث شریف کی عبارت یوں ہوگی۔

لا تشدالرحال الی مسجد الا الی ثلاثة مساجد۔ — ان تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کی طرف سامان سفر نہ باندھا جائے

اس مسئلہ پر ہمارے دور میں بلاد شامیہ میں کئی مناظرے ہوئے ہیں اور طرفین میں سے ہر ایک نے اس پر کتب لکھی ہیں یہاں ہم اس کی تفصیل میں نہیں جاتے۔

امام بدرالدین عینی حنفی فرماتے ہیں

شدالرحل سفر سے کنایہ ہے کیونکہ وہ سفر کے لیے لازم ہے اور یہاں مستثنیٰ مفرغ ہے۔ پس تقدیر کلام یوں ہوگا۔

لا تشدالرحال الی موضع أو مکان — کہ کسی جگہ اور مکان کی طرف سامان سفر نہ باندھا جائے۔

سوال: اگر کہا جائے کہ اس سے تو لازم آتا ہے کہ اس کے سوا کسی بھی مکان یا جگہ کی طرف سفر نہ کیا جائے حتیٰ کہ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی زیارت کے لیے بھی سفر کرنا ناجائز ہو جائے گا۔ کیونکہ مستثنیٰ مفرغ میں مقدر مستثنیٰ منہ اعم العام ہونا چاہیے۔

جواب:۔ تو ہمارا جواب یہ ہوگا کہ یہاں اعم العام سے مراد یہ ہے کہ وہ مستثنیٰ کے نوع اور وصف میں مناسب ہو مثلاً۔ ما رایت الا زیداً تو یہ تقدیراً عبارت یوں ہوگی۔ ما رایت رجلاً او احداً الا زیداً ایسے عبارت نہیں ہوگی ما رائت شیاءً او حیوانًا الا زیداً پس یہاں اس حدیث شریف میں بھی اسی اصول کے تحت عبارت یوں ہوگی۔

إلى ثلاثة مساجد　　　سامان سفر نہیں باندھا جائے گا۔

حدیث سے اس معنی کی تائید

اور مستثنیٰ منہ کی تعیین میں شہر بن حوشب کی روایت مشہور ہے اس کو امام احمد نے (مسند امام احمد ۳/۶۴ و ۹۴) میں اور ابو یعلی نے اپنی "مسند ۲/۴۸۹" میں روایت کیا ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی نے (فتح الباری ۳/۶۵) میں فرمایا شہر بن حوشب "حسن الحدیث" ہے اگرچہ اس میں قدرے ضعف ہے۔ اور اس کو امام ذہبی نے اپنی کتاب (فیمن تکلم فیہ وھو موثق ص ۱۰۰) میں بیان فرمایا ہے۔ تو یہ راوی ان میں سے ہے کہ جن کی روایت امام ذہبی کے نزدیک بھی "حسن" ہے۔ پس یہ دونوں جلیل القدر امام جو کہ حفظ اور معرفت رجال کے بلند و بالا پہاڑ ہیں وہ شہر بن حوشب کی حدیث کو "حسن" قرار دے رہے ہیں تو اب "البانی" کا شور و غوغا قابل توجہ ہی نہیں اور اس کا واضح رد بھی اپنے مقام پر آ رہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس لئے شارحین حدیث نے بھی مسجد ہی کو مستثنیٰ منہ مقدر جانا ہے

علامہ کرمانی

علامہ کرمانی نے (شرح صحیح بخاری ۷/۱۲) میں " الا الی ثلاثة مساجد" پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا۔

• یہاں استثناء مفرغ ہے۔ اور اگر کوئی کہے کہ یہاں مستثنیٰ منہ عام مقدر ماننا چاہیئے جو کہ لفظ موضع یا مکان ہے تو اب حدیث کا معنی یہ ہو گا کہ ان مساجد کے علاوہ کسی جگہ کا بھی سفر جائز نہیں حتی کہ سیدنا خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کیلئے بھی سفر منع ہو گا کیونکہ مفرغ میں مقدر مستثنیٰ منہ کا اعم العام ہونا ضروری ہے، تو میں (کرمانی) کہتا ہوں کہ مستثنیٰ منہ اعم العام ہوتے

لا تشد الی مسجد الا الی ثلاثۃ — ان تینوں کے سوا کسی مسجد کی طرف بھی سامان سفر نہ باندھو

(عمدۃ القاری ۶/۲۷۶)

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی (فتح الباری ۴/۶۶) میں فرماتے ہیں

بعض محققین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان "الا ثلاثۃ مساجد" کے بارے میں فرمایا۔

یہاں مستثنیٰ منہ محذوف ہے۔ وہ محذوف یا تو عام ہوگا تو عبارت یوں ہوگی۔

لا تشد الرحال الی مکان فی ای امر الا الی الثلاثۃ۔ — کہ کسی بھی مکان کی طرف کسی بھی کام کیلئے سامان سفر نہ باندھا جائے مگر ان تین کی طرف یا محذوف خاص ہوگا۔

پہلی صورت درست نہیں۔ کیونکہ اس سے تو سفر تجارت رشتے داروں سے ملاقات اور طلب علم کیلئے سفر ناجائز اور ممنوع ٹھہرے گا۔ لہذا دوسری صورت متعین ہو جائے گی کہ مستثنیٰ منہ خاص مانا جائے تو اولی یہ ہے کہ اس لفظ کو مقدر مانا جائے جو زیادہ مناسب ہو تو وہ مسجد: کا لفظ ہوگا اور عبارت یوں ہوگی۔

لا تشد الرحال الی مسجد للصلاۃ الا الی الثلاثۃ: — ان تینوں مساجد کے سوا کسی مسجد کی طرف نماز پڑھنے کیلئے سامان سفر نہ باندھا جائے۔

تو اس سے ان لوگوں کا قول باطل ہو گیا جو اس حدیث سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر منورہ اور اولیاء کی قبروں کی زیارت کے لیے سفر منع کرتے ہیں۔

اہم نوٹ:۔

اس میں مقدر مستثنیٰ منہ: مسجد، کو ہی بنانا ابن تیمیہ کی گفتگو کے بھی موافق ہے کیونکہ

انھوں نے اپنے (فتاویٰ ۲۷/۱۲) میں کہا کہ یہاں مقدر دو میں سے ایک ہے۔ یا یہ کہا جائے: لا تشد الرحال «الی مسجد» الا الی المساجد الثلاثۃ، کسی مسجد کی طرف سوائے ان تینوں کے سامان سفر نہ باندھا جائے۔

پس اس میں لفظ کے ساتھ اس سے ممانعت ہوگی۔

کاش ابن تیمیہ اسی پر اکتفا کرتے لیکن آگے کہا پس ان تینوں مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سامان سفر باندھنے کی ممانعت تو لفظی ہے۔ اور اس کے علاوہ تمام ایسی جگہیں کہ جن کی فضیلت کا اعتقاد کیا جائے ان کی ممانعت سیاقاً از خود واضح ہے آگے کہا جب مبارک اور افضل جگہوں کی طرف سفر منع ہے تو مفضول کی طرف تو بطریق اولی منع ہوگا۔

میں (سعید ممدوح) کہتا ہوں کہ حق اور سچ بالکل اس کے خلاف ہے کیونکہ جب ان تین مساجد کے فضیلت میں مخصوص ہونے کی وجہ سے ان کی زیارت کے لیے سفر مستحب ٹھہرا تو بطور دلالۃ النص روضہ اطہر کا سفر بطریق اولی مستحب ہوگا کیونکہ ان تین مساجد کی طرف سفر سے زیارت نبوی کے لیے سفر بہر طور افضل ہو گا وجہ واضح ہے کہ زمین کا وہ حصہ جو حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ اطہر کو مس کر رہا ہے وہ ان تینوں مساجد سے کیسی اعلی و افضل ہے۔

روضہ اطہر کائنات کی تمام جگہوں سے افضل ہے

حضرت امام مالک فرماتے ہیں۔

ان البقعۃ التی فیہا جسد النبی	جس بقعہ مبارکہ میں نبی اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم افضل من	صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اقدس
کل شی حتی الکرسی والعرش	ہے وہ جگہ ہر شئے سے افضل ہے

ثم الکعبۃ ثم المسجد النبوی ثم المسجد الحرام ثم مکۃ [1] | حتی کہ عرش و کرسی سے بھی پھر اس کے بعد کعبہ پھر مسجد نبوی پھر مسجد حرام اور پھر مکہ۔

حضرت امام قاضی عیاض الشفاء میں فرماتے ہیں:

الاجماع علی انھا افضل بقاع الارض: | اس پر اجماع امت ہے کہ آپ کا روضہ منور تمام زمین سے افضل ہے

اور آپ سے پہلے مالکیہ میں سے امام ابو الولید الباجی المالکی وغیرہ اور ان کے بعد امام قرافی: وغیرہ نے اس کو بیان کیا ہے۔ اس کی تفصیل (معارف السنن ۳/۳۲۳) میں ملاحظہ کیجئے۔

اس پر اب ابن تیمیہ کا کہنا کہ۔

پس جب زیادہ فضیلت والی جگہوں کی طرف سفر کرنا منع ہے تو کم فضیلت والی جگہوں کی طرف تو بطریق اولی منع ہو گا۔ ابن تیمیہ کو چاہیئے تھا کہ یہاں یہ الفاظ بھی زیادہ کرتا کہ دلالۃ النص کے طور پر۔ افضل مکان و جگہ (اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور) کی طرف بھی سفر کا زیادہ حق ہے یعنی اگر مفضول کی طرف سفر منع ہے تو ان سے افضل کی طرف سفر بھی افضل ہو گا۔

---

[1] روضہ شریف کائنات کی ہر جگہ سے حتی کہ عرش عظیم سے بھی افضل ہے اس کا مفصل بیان بندہ کی کتاب العقیدۃ الصحیحۃ فی شرح حیات الانبیاء میں ملاحظہ فرمائیں۔ (مترجم عفی عنہ)

دوسری وجہ

امام تقی الدین السبکی شفاء السقام ص ۱۱۸ میں فرماتے ہیں!

علم ہونا چاہیئے کہ اس حدیث شریف میں مستثنیٰ مفرغ ہے اس لیئے تقدیراً عبارت یوں ہوگی۔

لاتشد الرحال الی مسجد الا الی المساجد الثلاثۃ: کہ ان تینوں مساجد کے سوا کسی مسجد کی طرف سامان سفر نہ باندھا جائے۔ یا پھر عبارت اسطرح ہوگی۔

لاتشد الرحال الی مکان الا الی المساجد الثلاثۃ: ان تین مساجد کے علاوہ کسی جگہ کی طرف بھی سامان نہ باندھا جائے۔ ان دونوں صورتوں میں سے ایک کا ماننا ضروری ہوگا تاکہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ کے تحت ہو اور پہلے کو (یعنی مسجد کو یہاں مقدر ماننا اولی ہے کیونکہ وہ جنس قریب سے ہے۔ اور اگر اس حدیث کے عموم کا اعتبار کیا جائے یعنی کسی جگہ کی طرف بھی سامان سفر نہ باندھا جائے سوائے ان تین مساجد کے یعنی جس عموم کی طرف ابن تیمیہ گیا ہے۔

سفر مطلوب کے دونوں اسباب زیارت نبوی میں ہیں:

آگے چل کر امام السبکی نے جو (ص ۱۱۹ - ۱۲۱) میں بیان فرمایا اس کی تلخیص یہ ہے۔

سفر کا باعث دو باتیں ہوں گی یا تو طلب علم اور زیارت والدین یا اس کے مشابہ کسی اور غرض کیلئے سفر کرنا تو یہ بالاتفاق مشروح وجائز ہے۔

دوسرا وہ سفر ہے جس کا مقصد کسی خاص مقام پر جانا ہے۔ جیسا کہ مکہ و مدینہ یا بیت المقدس کی طرف سفر کرنا۔ اور حدیث ان سب پر مشتمل ہے۔

لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر اس حدیث کے تحت نہیں آتا کیونکہ مسافر صرف اس جگہ کی تعظیم کے لیے سفر نہیں کرتا بلکہ وہ ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اس روضہ شریف میں کو محو استراحت ہیں ان کی تعظیم کے لیے سفر کرتا ہے۔ تو یہ قطعاً اس حدیث کے تحت نہیں آئے گا بلکہ یہ پہلی قسم (یعنی والدین اور طلب علم کے لیے سفر) میں داخل ہوگا جو جائز ہے۔

پس سفر سے ممانعت دو امور کے ساتھ مشروط ہے۔

نمبر ۱:۔ اس سفر کی غایت ان تین مساجد کے علاوہ ہو۔

نمبر ۲:۔ یہ سفر اس جگہ کی تعظیم کے لیے ہو۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر کی غایت انہی تینوں مساجد میں سے ایک مسجد ہے اور اس سفر کی علت اسی بقعہ مبارکہ میں ساکن کی تعظیم ہے نہ کہ بقعہ کی، تو کس طرح اس سفر کی ممانعت ہوگی۔

بلکہ میں کہتا ہوں کہ سفر مطلوب کے دو سبب ہیں۔

۱:۔ سفر کی غایت ان تین مساجد میں سے کوئی ایک مسجد ہو۔

۲:۔ سفر اللہ کی عبادت کے لیے ہو اگرچہ ان تینوں کے علاوہ کسی اور طرف ہو۔

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے سفر میں یہ دونوں سبب پائے جاتے ہیں لہٰذا یہ طلب کا اعلیٰ درجہ ہے اور اس کے علاوہ کسی اور سفر میں یہ دونوں سبب نہیں پائے جاتے بلکہ ایک سبب ہوگا اس کی طلب بھی کم درجہ پر ہوگی۔

اور اگر سفر کی غرض و غایت ان تینوں مساجد میں سے کسی ایک کی طرف ہو تو

یقیناً یہ قصد صالح کی نیت سے قربت اور نیکی ہوگی۔

کسی جگہ کی تعظیم کے لئے سفر منع ہے

رہا وہ سفر جو ان تینوں مقامات کے علاوہ کسی اور مکان کی طرف اس کی تعظیم کے لیے ہو۔ تو اسی بارے میں یہ حدیث وارد ہے (کہ یہ سفر منع ہے) جیسا کہ بعض تابعین حضرات سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمر سے عرض کیا۔ میرا ارادہ ہے کہ میں کوہ طور پر جاؤں تو آپ نے ارشاد فرمایا۔

سامان سفر صرف تین مساجد۔ مسجد حرام۔ مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ کیطرف باندھا جاتا ہے لہذا چھوڑ دو طور کو اور وہاں نہ جاؤ۔

حاصل کلام یہ کہ۔ اگر اس حدیث کو عموم پر محمول کیا جائے جو کہ ابن تیمیہ کی مراد کے موافق ہے تو پھر یہ حدیث مطلقاً زیارت سے تو منع نہیں کرتی کیونکہ مسافر جگہ کے ساکن کی زیارت کیلئے جاتا ہے۔

جیسا کہ عالم کی زیارت اور رشتہ دار کی زیارت تو اس کے جواز پر اجماع ہے باقی حدیث شریف صرف اماکن کے بارے میں وارد ہے۔ غور و فکر سے کام لے کر فائدہ اٹھاؤ اللہ تعالیٰ امام سبکی کو جزائے خیر دعزت عطا فرمائے انہوں نے حدیث کے مفہوم کو پایا۔

اہم نوٹ

امام سبکی کی تقریر میں یہ صراحت ہے کہ یہ حدیث صرف اماکن کی طرف سفر کی ممانعت کے ساتھ خاص ہے! اور اس میں ابن تیمیہ بھی متفق ہے جیسا کہ اس نے اپنے (فتاویٰ ۲۷/۲۱) میں کہا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان لاتشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد ہر اس سفر کو جو کسی مکان مقصودہ کی طرف کیا جائے منع کرتا ہے بخلاف سفر تجارت اور طلب علم وغیرہ کے کیونکہ وہاں اس حاجت کا حصول مقصد ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اسلامی بھائی کی زیارت کے لیے سفر کرنا کیونکہ وہ جہاں بھی ہو وہ مقصود ہے۔

میں کہتا ہوں اسطرح یہ حدیث مختلف مقامات کی طرف سفر کی ممانعت کے ساتھ خاص ہوگی۔ جب یہ واضح ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حاضری اس حدیث کے تحت ممانعت میں داخل نہیں ہے کیونکہ تو حاضری اور روضہ شریف میں محو استراحت شخصیت کی طرف سفر ہے نہ کہ صرف روضہ شریف کیلئے (فقدبر)
اب ہر ذی فہم شخص پر واضح ہو جائے گا حدیث لاتشد الرحال سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری سے ممانعت پر استدلال اجنبی اور بودا پن ہے۔

تیسری وجہ :۔

اس حدیث میں نہی وجہ واحد (حرام) پر نہیں بلکہ اس میں علما کا اختلاف کہ یہ نہی کس وجہ سے ہے؟

امام ابن بطال نے فرمایا :۔

یہ حدیث علماء کے نزدیک اس شخص کے لیے ہے جس شخص نے ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی

امام ابوسلیمان الخطابی فرماتے ہیں !

یہ (لاتشد الرحال) حدیث، نذر کے بارے میں ہے۔ اگر انسان نذر مانے کہ میں

فلاں مسجد میں نماز پڑھوں گا تو اس کو اختیار ہے کہ اس مسجد میں نماز پڑھے یا کسی اور مسجد میں نماز پڑھے بخلاف ان تینوں مساجد میں سے کسی ایک مسجد کے کیونکہ اگر ان تین مساجد میں سے کسی ایک میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس کو پورہ کرنا اس پر واجب ہو گا۔ کیونکہ یہ انبیاء کرام کی مساجد ہیں اور ہم کو ان کی اقتداء کا حکم دیا گیا ہے۔

(معالم السنن ۲/۴۴۳)

اور یہ ثابت شدہ مسئلہ ہے کہ نذر صرف طاعت[1] میں ہی واجب ہوتی ہے تو اس حدیث کا معنی یہ ہوا کہ جس شخص نے ان تین مساجد میں سے کسی ایک مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس پر اس نذر کا پورا کرنا لازم ہے۔ اور جس نے ان تینوں کے علاوہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کی نذر مانی تو اس پر اس کو وفا کرنا واجب نہیں ہے

---

[1] اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حاضری نیکی وطاعت ہے لہٰذا جس نے آپکی قبر منورہ پر حاضر ہونے کی نذر مانی تو اس پر اس نذر کا پورا کرنا واجب ہو گا، قاضی ابن کج شافعی نے فرمایا۔

اذا نذر ان یزور قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم فعندی انہ یلزم الوفا بذالک وجہا واحداً۔

اگر کسی شخص نے نذر مانی کہ وہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرے گا تو ہر وجہ سے اس پر یہ نذر پوری کرنا لازم ہے۔

(المجموع : ۸/ ۳۷۶)

امام ابن کج (الفتح الکاف) کا نام یوسف بن الدنیوری ہے۔ امام قاضی ابن شہبہ (۱/ ۱۹۶) فرماتے ہیں کہ وہ مشہور آئمہ میں سے ہیں اور مذہب شافعی کے حفاظ مصنفین اور اصحاب وجوہ المتقنین میں سے ہیں حفظ مذہب شافعی میں ضرب المثل ہیں۔

امام نووی نے فرمایا :۔

اس میں کوئی اختلاف نہیں سوائے اس کے جو کہ امام لیث سے مروی ہے کہ اس کو پورا کرنا واجب ہے۔ اور اس مسئلہ میں حنابلہ سے ایک روایت ہے کہ اس شخص پر قسم کا کفارہ ہوگا اور نذر منعقد نہیں ہوگی۔ اور مالکیہ سے روایت ہے کہ جب عبادت کسی کے ساتھ متعلق کرنے کے مختص کر دی گئی ہو جیسا کہ سرائے وغیرہ تو اس کو پورا کرنا واجب ہے وگرنہ نہیں امام محمد بن مسلمہ مالکی سے مسجد قباء کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر ہفتہ وہاں تشریف لے جایا کرتے تھے۔

(المجموع ۸/۳۷۷)

امام ابن بطال نے فرمایا :۔

جس نے اولیاء اللہ کی مساجد میں نماز پڑھنے اور ان کے ساتھ تبرک حاصل کرنے کا ارادہ نفلی طور پر کیا تو یہ مباح ہے! اگرچہ اس میں سفر ہو۔ کیونکہ اس حدیث میں اس پر کوئی ممانعت نہیں

امام نووی فرماتے ہیں :۔

ہمارے اصحاب کے نزدیک صحیح وہ قول ہے جس کو امام الحرمین اور محققین علماء نے اپنایا ہے کہ یہ سفر نہ حرام ہے اور نہ ہی مکروہ باقی علماء نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں مراد یہ ہے کہ فضیلت تامہ یہ ہے کہ شد الرحال خاص انہی تین مساجد کے ساتھ ہے۔

(شرح صحیح مسلم) (۹/۱۰۶)

امام ابو محمد ابن قدامہ المقدسی الحنبلی فرماتے ہیں:۔

اگر قبور اور مشاہد کی زیارت کے لیے سفر کیا تو اس کے بارے میں امام ابن عقیل حنبلی نے فرمایا، کہ اس سفر میں قصر نہیں کیونکہ ایسا سفر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین مساجد کے سوا کسی کی طرف سامان سفر نہ باندھا جائے۔

لیکن اس میں صحیح قول اباحت کا ہے اور اس سفر میں نماز قصر کی جائے گی کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا پیدل اور سوار ہو کر تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبور کی زیارت بھی فرماتے تھے۔ اور حکم فرمایا۔ کہ تم زیارت کیا کرو یہ تمہیں آخرت یاد کروایا کریں گی[1]

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان،

لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد، میں صرف تفضیل کی نفی ہے تحریم نہیں اور قصر نماز کی اباحت میں فضیلت شرط نہیں ہے لہذا فضیلت کی نفی نماز قصر کی اباحت کی نفی نہیں ہو گی۔ (المغنی ۲/ ۱۰۳-۱۰۴)

---

[1] زیارت مطلقاً ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال کو متقضی ہے! تو لفظ زیارت کو محمول کیا جائے گا انتقال پر خواہ سفر کے ساتھ ہو یا بغیر سفر کے۔ پس ابن قدامہ کا استدلال ایک فقیہ اور ماہر کا استدلال ہے۔ ابن تیمیہ نے ابن قدامہ کا تعقب کیا —— اور کہا کہ زیارت کا لفظ بغیر سفر تک ہی محدود ہے ابن تیمیہ کلام محل نظر ہے۔ اور حق ابن قدامہ کے ساتھ ہے۔

اور اسی کے مثل امام ابوالفرج ابن قدامہ نے شرح الکبیر (۹۳/۲) میں بیان فرمایا۔

امام الحرمین نے فرمایا!

ظاہر اور واضح یہی ہے کہ نہ تو اس (غیر مساجد ثلاثہ کی زیارت) میں تحریم ہے اور نہ ہی کراہت۔ ایسے ہی شیخ ابو علی نے فرمایا اور اس حدیث کا مقصود صرف ان تین مساجد کے ساتھ قربت کی تخصیص بیان کرنا ہے۔

(الروضہ: ۳۲۴/۲) و (المجموع: ۳۷۵/۸)

مذکورہ گفتگو سے معلوم ہوا کہ ان تین مساجد میں نماز دیگر مساجد کی نسبت زیادہ ثواب و اجر رکھتی ہے لہٰذا نذر کا پورا کرنا صرف انہی کے ساتھ خاص ہوگا۔ اور ان کے علاوہ تمام مساجد میں نماز کا ثواب برابر ہے اور ان کی طرف سفر مباح ہے اور اس میں نماز قصر جائز ہے

نذر پر محمول کرنے والوں کے دلائل:

اور اگر یہ پوچھا جائے کہ جو تم نے بیان کیا ہے اس کی تائید میں تمہارے پاس کچھ ہے تو میں اللہ کی توفیق و استعانت سے عرض کرتا ہوں۔ کہ جن لوگوں نے اس حدیث کو نذر کے ساتھ خاص کیا درج ذیل دلائل ان کی تائید کرتے ہیں۔

(۱) صحیح حدیث (کہ جس کی اسناد کے رجال مسلم کے راوی ہیں) میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ان خیر ما رکبت الیه الرواحل مسجدی هذا والبیت العتیق۔	سب سے افضل جس کیطرف کجاوے کس کے سفر کیا جائے وہ میری یہ مسجد اور اللہ کا

کا پاک گھر (خانہ کعبہ ہے)

اس حدیث کی تخریج آئندہ صفحات میں آئے گی (انشاء اللہ) اس حدیث میں صراحت ہے کہ ان دونوں (مسجد نبوی و مسجد حرام) کے علاوہ دیگر مساجد اور مقامات کی طرف بھی سفر جائز ہے۔

مسجد قبا میں دو رکعتیں، بیت المقدس کے سفر سے افضل ہیں

(۲) فہم صحابہ: یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس حدیث (لاتشد الرحال) سے یہی سمجھا ہے کہ ان کے علاوہ۔ کسی اور مسجد کی طرف بھی سفر کرنا جائز ہے جیسا کہ۔

امام عمر بن شبہ نے (تاریخ المدینہ ۱/۴۳) میں روایت کیا۔

عبدالصمد بن عبدالوارث حدثنا صخر بن جویریہ عن عائشة بنت سعد بن ابی وقاص قالت سمعت ابی یقول: لأن اصلی فی مسجد قبا رکعتین أحب إلیّ من ان آتی بیت المقدس مرتین لو یعلمون ما فی قبا لضربوا الیه اکباد الابل

حضرت عائشہ بنت سعد بن ابی وقاص سے روایت ہے کہ میں نے اپنے باپ (سعد بن ابی وقاص) سے سنا آپ نے فرمایا مسجد قبا میں دو رکعت نماز پڑھنا مجھے مسجد اقصیٰ میں دو مرتبہ جانے سے زیادہ پسند و محبوب ہے۔ اگر لوگ جانتے کہ مسجد قبا میں کتنا ثواب و برکت ہے تو لوگ اونٹوں کو اس سفر میں دوڑاتے:

امام ابن حجر نے فرمایا

اسناد صحیح

اس کی سند صحیح ہے

(فتح الباری ۳/۶۹)

مسجد قبا دنیا کے کسی کنارے پر بھی ہوتی ہم پھر بھی زیارت کیلئے جاتے

ابن ابی شیبہ نے اسی طرح «معنف ۲/۳۷۳»، عبدالرزاق نے (مصنف ۵/۱۳۳) میں روایت کی۔

الشوری عن یعقوب بن مجمع بن حاریۃ عن ابیہ عن عمر بن الخطاب انہ: قال ـ لو کان مسجد قبا فی افق من الآفاق ضربنا الیہ اکباد المطی

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر مسجد قبا آفاق کے کناروں میں سے کسی کنارے پر ہوتی تو ہم اس کی طرف بھی سفر کرتے۔

حضرت عمر راوی حدیث ہونے کے باوجود یہ فرما رہے ہیں:

اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ حدیث (لا تشد الرحال) کے راوی ہیں اگر وہ جانتے کہ اس حدیث میں نہی تحریم کیلئے ہے تو وہ مسجد قبا کے بارے میں مندرجہ بالا مقولہ ہرگز نہ فرماتے

اسکی اسناد حسن ہیں کیونکہ۔

یعقوب بن مجمع کو ابن حبان نے ثقہ کہا ہے اور اس سے امام ثوری — جیسے امام نے روایت لی ہے۔ امام حافظ الذھبی نے (الکاشف ۲/۳۹۵) میں اس کی «توثیق» کی ہے اور ان کے والد مجمع بن جاریہ صحابی ہیں۔

اور اس اثر کی ایک اور سند بھی ہے جس کو امام عمر بن شبہ نے (تاریخ المدینہ ۱/۹۴) میں بیان فرمایا ہے۔ اس میں راوی اسامہ بن زید بن اسلم ہے اگرچہ حفظ کی وجہ سے اسکی تضعیف کی گئی ہے لیکن وہ متابع اور شواہد کی صلاحیت رکھتا ہے

حضرت ابوہریرہ نے راوی حدیث ہونے کے باوجود طور کا سفر کیا۔

امام احمد نے (مسند ۶/۳۹۷) اور امام طبرانی نے (المعجم الکبیر ۲/۳۱۰) میں روایت کیا۔

مرثد بن عبداللہ الیزنی عن ابی بصرۃ الغفاری قال لقیت اباھریرۃ وھو یسیر الی مسجد الطور لیصلی فیہ قال فقلت لہ: لو ادرکتک قبل ان ترتحل ما ارتحلت قال: فقال: ولِمَ؟ قال: فقلت انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: لا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ: المسجد الحرام والمسجد الاقصی، ومسجدی

حضرت ابوبصرۃ غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضرت ابوہریرہ سے ملا اور وہ مسجد طور میں نماز پڑھنے کی نیت سے جا رہے تھے میں نے آپ سے کہا اگر میں آپکو تیاری سے پہلے ملتا تو آپ سفر نہ کرتے تو حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ کیوں؟ میں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا تین مساجد کے علاوہ کسی طرف سامانِ سفر نہ باندھو۔ اور وہ مسجد حرام مسجد اقصیٰ اور میری مسجد ہے۔

حضرت ابوہریرہ حضرت ابوبصرہ رضی اللہ عنہ سے اس حال میں ملے کہ آپ مسجد طور کی طرف سفر میں تھے تو جب حضرت ابوبصرہ نے حضرت ابوہریرہ سے یہ حدیث بیان فرمائی تو آپ واپس نہیں لوٹے اگر حضرت ابوہریرہ اس حدیث سے تحریم سمجھتے تو واپس پلٹ جاتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا۔

بلکہ وہ سرے سے اس نیت کے ساتھ گھر سے نکلتے ہی نہ کیونکہ وہ تو خود اس حدیث کے راوی بھی ہیں۔ پس آپ رضی اللہ عنہ کا فعل اس پر دلالت کرتا ہے کہ

یہ حدیث ان کے نزدیک حرمت سفر پر دال نہیں۔

اکابر صحابہ کے فہم حدیث کے بعد کونسی دلیل کونسی حجت اور کونسی برہان کا مطالعہ کیا جا سکتا۔ ان سابقہ دلائل سے معلوم ہو گیا کہ حدیث لاتشد الرحال میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور کی زیارت کے لیے سفر پر ممانعت کی کوئی دلیل نہیں۔

اے مخاطب اس کے بعد کسی ایسے شخص کے کلام کیطرف مت دیکھ کہ جس کے کلام میں فقاہت و دانائی کوئی نہیں بلکہ وہ فقط کسی دوسرے کی رائے پر بغیر تامل اور غور و فکر کے عمل کر رہا ہے۔ یا پھر وہ تعصب اور عناد سے کام لے رہا ہے۔

اب ہم اس تصنیف کے اصل مقصد کی طرف آتے ہیں اور وہ مقصد ہے توسل اور زیارت کی احادیث کی تخریج۔

نوٹ :۔ ہم کتاب کا حصہ احادیثِ زیارت شائع کر رہے ہیں۔

محمد خاں قادری

تخریج احادیث الزیارۃ

حدیث ۱:-

"من زار قبری وجبت له شفاعتی"

جس نے میری قبر انور کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت ثابت ہو گی۔

اس حدیث کو درج ذیل محدثین نے نقل کیا ہے۔

السنن	امام دار قطنی	۲/۲۷۸
الکنی والاسماء	امام الدولابی	۲/۶۴
شعب الایمان	الامام بیہقی	۳/۴۹۰
تلخیص المتشابۃ فی الرسم	امام خطیب بغدادی	۱/۵۸۱
المزیل علی التاریخ	امام الابیشی	۲/۱۷۰
تاریخ المدینۃ	ابن النجار	۱۴۲
الضعفاء	امام عقیلی	۴/۱۷۰
الکامل	امام ابن عدی	۶/۲۳۵۰
شفاء السقام	امام تقی الدین السبکی	ص۲ - ص۱۲

ان تمام حضرات نے یہ حدیث اس سند سے ذکر کی ہے موسیٰ بن ہلال العبدی عن عبید اللہ بن عمر و عبد اللہ بن عمر وہ دونوں حضرت امام نافع سے

اور وہ حضرت ابن عمر سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں۔

یہ سند "حسن" ہے چاہے موسیٰ بن ہلال عبدی عبیداللہ بن عمر سے روایت کرے یا ان کے بھائی عبداللہ بن عمر یا ان دونوں سے روایت کرے۔

اس کو امام، عبدالحق اشبیلی نے صحیح کہا۔

اور امام سبکی نے شفاء السقام نے اس کو صحیح یا حسن کہا۔

امام سیوطی نے "مناهل الصفاء فی تخریج احادیث الشفاء" میں حسن کہا ہے۔ اور ان کے بعد کے متاخرین نے بھی اس کی تحسین کی ہے اس حدیث میں بعض علتیں بیان کی گئی ہیں مگران میں سے کوئی بھی علت صحیح نہیں ہے۔ لیکن ہم ان کو بیان کرکے تفصیلاً ان کے جوابات عرض کریں گے (انشاءاللہ)

اس میں مندرجہ ذیل علتیں بیان کی جاتی ہیں۔

۱۔ موسیٰ بن ہلال مجہول ہے اور اس حدیث میں اضطراب ہے۔

۲۔ موسیٰ بن ہلال یہ روایت عبداللہ بن عمر العمری سے روایت کرتا ہے اور ——— اس کی روایت عبیداللہ بن عمر سے صحیح نہیں حالانکہ وہ ثقہ اور حافظ ہے۔

۳۔ عبداللہ بن عمر العمری ضعیف ہے۔

یہ علتیں صحیح نہیں ہیں اور ان علل کی بنا پر حدیث پر ضعف کا حکم نہیں لگایا جاسکتا،

(۱) موسیٰ بن ہلال حسن الحدیث ہے، اس کے بارے میں امام ابن عدی نے کہا۔ میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں امام ذہبی نے فرمایا یہ: صالح الحدیث ہے۔ اس سے بہت سارے آئمہ کرام نے روایت لی ہے۔ ان جلیل القدر آئمہ میں سے امام احمد بن حنبل بھی ہیں۔

اور اگر موسیٰ بن ہلال ضعیف بھی ہو تو بھی یہ منفرد نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ دیگر راوی اس کے متابع ہیں لہذا متشددین کے اعتراضات موسیٰ بن ہلال سے زائل ہو گئے۔

حدیث میں اضطراب کا دعویٰ وہاں صحیح ہوتا ہے جہاں روایات کے درمیان موافقت متعذر ہو۔

یہاں تو دو طرح سے موافقت ہو سکتی ہے جیسا کہ انشاء اللہ آرہا ہے۔

۲:۔ یہ روایت موسیٰ بن ہلال عن عبید اللہ بن عمر سے کئی سندوں سے ثابت ہے اور عبید اللہ بن عمر ثقہ اور حافظ ہے تو عبید اللہ بن عمر سے روایت کے ثبوت میں طعن کرنے کی مجال نہیں ہے۔

۳۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ موسیٰ بن ھلال سوائے عبداللہ بن عمر بن العمری کے کسی اور سے روایت نہیں کرتا تو بھی (کوئی حرج نہیں) کیونکہ عمری مذکور حسن الحدیث ہے جیسا کہ متعدد ائمہ حدیث نے بیان فرمایا ہے۔

یہ ابن الھادی جس نے، عبداللہ بن عمر العمری کی تضعیف کو سر پہ اٹھا رکھا ہے اور اس کو اتارنے کے لیے تیار نہیں اور ان کے ضعف کی رٹ لگا رکھی ہے اس نے خود بھی (تنقیح التحقیق ۱/۱۲۲) میں ان سے مروی حدیث سے استدلال کیا ہے۔

یہ تو ایک اجمالی خاکہ تھا یہی چیز ہم ذرا قدرے تفصیل سے عرض کرتے ہیں۔

(واللہ المستعان)

۱:۔ اس بات کا اثبات کہ موسیٰ بن ہلال العبدی "حسن الحدیث" ہے۔ اس راوی پر کل جرح یہ ہے۔

امام ابو حاتم نے فرمایا۔ مجہول ہے (الجرح والتعدیل ۸/۱۶۶)

عقیلی نے کہا اس سے حدیث صحیح نہیں اور نہ یہ متابع بن سکتا ہے۔ (الضعفاء ۴/۱۷۰)

امام دارقطنی نے سوالات البرقانی عن لدارقطنی میں کہا مجہول ہے۔ یہ ہے حاصل کلام جو اس راوی کو مجہول ــــ ثابت کرنے کے لیے بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ انہیں مجہول قرار دینا مردود ہے

اس راوی میں جہالت کا قول مردود ہے بلکہ یہ راوی معروف ہے۔ کیونکہ اس سے بہت سارے رواۃ نے ــــ روایت لی ہے ان آئمہ حفاظ حدیث میں سے امام احمد بن حنبل بھی ہیں ابن جوزی نے انہیں (مناقب الامام احمد ۴۹) میں امام احمد بن حنبل کے اساتذہ میں سے شمار کیا ہے۔

اور ان سے امام احمد حنبل کے علاوہ جن دیگر محدثین نے روایت لی ہے ان میں سے۔ احمد بن الخلیل و محمد بن اسماعیل الاحمسی و ابو امیہ محمد بن ابراہیم الطرسوسی و عبید بن محمد الوراق و فضل بن سہل۔ جعفر بن محمد البزوری۔ محمد بن زنجویہ العسیری علی بن معبد ابن نوح۔ عباس بن الفضل۔ ہارون بن سفیان، محمد بن جابر المحاربی احمد بن ابی غرزہ۔ ابو محمد عبد الملک بن ابراہیم اور محمد بن عبد الرزاق وغیرہم ہیں۔

پندرہ راویوں کی روایت کے بعد بھی جہالت :

اور جہالت عین دو راویوں یا ایک راوی کے روایت کرنے سے اٹھ جاتی ہے جیسا کہ کتب اصول میں مقرر ہے تو جس سے پندرہ اشخاص روایت کر رہے ہوں اس کے بارے میں کیا خیال ہے؟ کیا ان میں جہالت باقی رہے گی؟

یہ راوی مجہول نہیں بلکہ معروف ہے اس پر یعقوب بن سفیان الفسوی نے،

(معرفة وفيات لبعض البصريين میں اعتماد کیا ہے ملاحظہ فرمائیں (المعرفة والتاریخ ۱/۱۳۲ و ۱۲۷، ۱۲۸)

راوی مستور الحال بھی نہیں:

اگر کوئی کہتا ہے کہ یہ راوی مجہول الحال ہے تو یہ بات بھی ان دو امور کی بنا پر مردود ہے۔

۱:۔ امام ابن عدی کا فرمان۔ ارجوانه لاباس به۔ کہ اس راوی میں کوئی حرج نہیں (الکامل ۶/۲۳۵)

اور کتب اصول میں یہ بات مقرر ہے کہ تعدیل صرف ایک آدمی کے قول سے قبول کر لی جائیگی۔

تو جس شخص سے ایسے پندرہ اشخاص روایت کریں اور جن میں سے آئمہ وحفاظ بھی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ابن عدی کا قول: لابأس به، بھی ہے تو یقیناً، اس سے ثابت ہو جائے گا کہ یہ راوی مجہول نہیں ہے بلکہ اس کی حدیث مقبول ہے، اور یہی حال بہت سارے رواۃ کا ہے کہ جن کی احادیث کی آئمہ حفاظ نے تصحیح کی ہے

۲۔ ان سے امام احمد نے روایت کی (مناقب احمد لابن الجوزی ۹۴) اور وہ ثقہ کے سوا کسی سے روایت نہیں کرتے جیسا کہ اپنی جگہ پر مسلم ہے۔

ابن عبدالہادی کا جواب:۔

اور اگر کہا جائے کہ، ابن عبدالہادی نے (الصارم المنکی ۴۰-۴۱) میں اس بات کا جواب دیتے ہوئے لکھا ہے۔

کہ امام احمد صرف ثقات سے ہی روایت کرتے ہیں تو یہ غالب اوقات میں

سے ہے اور آپ کا اکثر طور پر یہی طریقہ ہے کہ آپ ثقہ سے ہی روایت کرتے تھے جیسے کہ عام طور پر امام شعبہ امام مالک، امام عبدالرحمن بن مہدی، امام یحییٰ بن سعید القطان وغیرہم کا طریقہ وعمل ہے لیکن بعض اوقات امام احمد ایسے راویوں سے روایت کرتے ہیں جن کی طرف ضعف اور قلت ضبط کی نسبت کی گئی ہے اور امام احمد نے ان راویوں سے بطور تائید اور شواہد کے روایت لی ہے نہ کہ اجتہاد اور اعتماد کے طور پر جیسے کہ آپ نے عامر بن صالح الزبیری، محمد بن قاسم الاسدی، عمر بن ہارون البلخی، علی بن عاصم الواسطی، ابراہیم بن ابی لیث الاشجعی، یحییٰ بن یزید بن عبدالملک النوفلی، نصر بن باب تلید سلیمان الکوفی، حسین بن حسن الاشقر، ابو سعید الصاغانی، محمد بن میسر اور ان جیسے دیگر رواۃ کہ (جن میں کلام مشہور ہے) سے روایات لی ہیں۔ اور اسی طرح آپ نے موسیٰ بن ہلال سے روایت (اگر ثابت ہو جائے تو) لی ہے [۱]

---

[۱] یہ تو موسیٰ بن ہلال پر بہت بڑا اور واضح ظلم ہے ابن عبدالہادی نے کیسے موسیٰ بن ہلال اور مذکور حضرات کو برابر قرار دیدیا۔ ان میں سے کئی موسیٰ بن ہلال سے بہت زیادہ ضعیف ہیں جیسا کہ عامر بن صالح الزبیری اس کو ابن معین نے جھوٹا کہا ہے۔ اور محمد بن قاسم الاسدی۔ کذاب، ہے اور عمر بن ہارون البلخی، متروک، ہے۔ ابراہیم بن ابی لیث بھی، متروک ہے۔ ان مثالوں سے صاحب عقل قاری پر ابن عبدالہادی کی نکمی کوشش جو کہ موسیٰ بن ہلال عبدی کی تضعیف میں کی ہے ظاہر ہو گئی اور اس کے متشدد طریقہ کا پردہ بھی چاک ہو گیا۔

☆

جواب کا تفصیلی رد

میں کہتا ہوں کہ کئی امور قابلِ توجہ ہیں۔

۱:۔ امام احمد سوائے ثقہ کے روایت نہیں کرتے۔ اور اگر کبھی ضعفاء سے روایت لیتے ہیں! اور اس کے کئی اسباب ہیں یہ کہ آپ پر اس کی تضعیف ظاہر نہیں ہوتی۔

۲:۔ آپ اس سے بطریق تعجب روایت کرتے ہیں جیسے کہ امام شعبہ جابر جعفی اور محمد بن عبید اللہ العرزی سے روایت کرتے ہیں۔

۳:۔ یا پھر آپ ان سے جو روایت کرتے ہیں وہ حلال وحرام کے بارے میں نہیں ہوتی۔ الربذی کے ترجمہ میں ہے۔ جیسا کہ موسیٰ بن عبیدہ کے ترجمہ میں ہے۔

جب یہ امر واضح ہو گیا تو اب یہ بات مسلم ہو گئی کہ امام احمد بن حنبل سوائے ثقہ کے کسی سے روایت نہیں کرتے۔

تو کیا موسیٰ بن ہلال سے امام احمد بن حنبل کا روایت لینا ان کی تقویت کے لیے مفید ہو گا کہ نہیں!

میں کہتا ہوں کہ امام ابن ابی حاتم الرازی نے (الجرح والتعدیل ۲/۳٦) میں لکھا کہ میں نے اپنے والد گرامی سے پوچھا کہ ثقہ آدمی غیر ثقہ سے روایت کرے تو کیا اس سے اس کی ثقاہت ثابت ہو گی؟ فرمایا کہ جب وہ ضعف میں مشہور و معروف ہو تو اس سے ثقہ کی روایت اس کو ثقہ نہیں کرے گی اور جب مجہول ہو تو اس سے روایت اس کو نفع دے گی۔

پھر ابن ابی حاتم نے فرمایا۔

میں نے شیخ ابو زرعہ سے پوچھا کہ ثقات کی کسی شخص سے روایت اس

کی حدیث کو قوت دے گی ؟ فرمایا یعنی :العمری : میں نے کہا : الکلبی : اس سے امام سفیان ثوری نے روایت کی ہے فرمایا یہ تب ہے جب علما نے اس پر جرح وکلام نہ کیا ہو اور کلبی، میں علما کا کلام مشہور ہے۔

امام ابو زرعہ نے فرمایا۔

حدثنا ابو نعیم، نا سفیان، نا محمد ابن سائب الکلبی وتبسم الثوری : ہمیں بیان کیا ابو نعیم نے انہوں نے سفیان سے انہوں نے محمد بن سائب الکلبی سے اور ثوری مسکرائے۔

شیخ ابو محمد نے کہا میں نے اپنے باپ سے پوچھا جب امام ثوری کے نزدیک کلبی ضعیف ہے تو پھر اس سے ان کی روایت کا کیا مطلب ؟

تو انہوں نے فرمایا۔

امام سفیان ثوری کلبی سے انکار اور تعجب کے طور پر روایت کرتے ہیں!

اس سے علم ہوا کہ امام ابو زرعہ کی نظر میں ثقہ کی روایت (غیر ثقہ سے) دو حالتوں میں مقبول اور مفید ہے!

(۱) جس سے روایت کی گئی ہے وہ مجہول الحال ہو۔ (اس کی مثالیں کتب رجال میں بے شمار ہیں)

(۲) وہ ضعف میں حد سے نہ بڑھا ہوا ہو۔ جیسا کہ محمد بن سائب الکلبی، جابر الجعفی و عامر بن صالح الزہیری، عمر بن ہارون البلخی اور ان جیسے دیگر رواۃ تو امام احمد کا موسیٰ بن بلال العبدی سے روایت لینا اس کی تقویت کے لیے کافی ہے کیونکہ وہ بعض کے نزدیک مجہول الحال ہے۔ امام احمد نے اس سے اپنی کتب میں روایت کا اخراج کیا ہے۔ اس سے آپ نے اپنی کتاب الزھد: میں روایت لی ہے اور امام الفسوی نے امام احمد اور موسی بن ہلال کی سند سے

روایت کی ہے۔

علی سبیل التنزل اگر مان لیا جائے کہ موسیٰ بن ہلال مجہول الحال ہے، تو پھر بھی وہ اسطرح۔ حسن الحدیث شمار ہوگا۔

امام زرکشی نے (المعتبر فی تخریج احادیث المنہاج والمختصر ۲۲۶) میں فرمایا کہ محدثین نے فرمایا ہے۔ راوی کی جہالت اس کی روایت میں قادح نہیں جبکہ اس سے روایت کرنے والا ثقہ ہو کیونکہ اس کی اس سے روایت اس کی تعدیل ہوگی۔

حاصل کلام یہ کہ۔ موسیٰ بن ہلال پر ابن عبدالہادی کے جہالت کا اطلاق کرنے میں واضح نقص ہے۔ یہ دیکھو کیا کہہ رہا ہے یہ نہ دیکھو کہ کون کہہ رہا ہے۔

جب بات اصولوں کے مطابق ہوگی تو وہی حق ہوگی۔ اور اگر اصولوں کے خلاف ہو تو اس کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہیئے۔ (اللہ ہی مددگار ہے)

امام عقیلی کا (الضعفاء ۱۷۰/۴) میں یہ کہنا کہ اس کی حدیث صحیح نہیں اور نہ ہی اس کا کوئی متابع ہے پس ناظر اور مدقق اس میں غور کرے تو اس کا آخر (کہ اسی کا متابع کوئی نہیں یہ پہلے اعتراض (کہ اس کی حدیث صحیح نہیں ہے) کا سبب ہے! کیونکہ موسیٰ بن ہلال کا متابع نہیں ہے یعنی (حدیث زیارت اس کی صحیح نہیں عقیلی کی نظر اور اطلاع میں)

اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے۔

اس کا قول۔ کہ اس کا متابع کوئی نہیں (اور اس اعتراض کی اصل بنیاد ہی یہ ہے) لیکن یہ کوئی جرح نہیں ہے اور نہ ہی محدثین نے اس کو مراتب الجرح میں ذکر کیا یہ تو صرف تفرد کی ایک علامت ہے

٭

حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں:

اکثر حافظ متقدمین ایسی حدیث کے بارے فرماتے ہیں جس میں ایک راوی متفرد ہو اگرچہ ثقات راوی اس متفرد کے خلاف روایت نہ کریں اور اس پر کوئی متابع بھی نہ ہو تو وہ اس کو حدیث میں علت گردانتے ہیں۔

(شرح علل الترمذی ص۲۶۴)

پس امام عقیلی کے نزدیک راوی توثیق کے اعلیٰ درجے پر نہ ہو کہ وہ اس کے منفرد ہونے کی حالت میں اس کی تصحیح کریں۔ اور اس کا متابع بھی نہ ہو اور یہ جرح کا درجہ دنیا میں کہیں بھی نہیں کہ اس کی حدیث ترک کر دی جائے وہ صالح حدیث یا درمیانے درجہ کا ثقہ ہوگا۔

اور اس راوی کا تو متابع بھی موجود ہے جیساکہ انشاء اللہ ابھی بیان ہوگا پس یہ حدیث مقبول ہے۔ حتیٰ کہ عقیلی کے نزدیک بھی یہ مقبول ہے۔

امام ابن حجر عسقلانی نے تعقب کرتے ہوئے فرمایا۔

امام ابن حجر عسقلانی نے عقیلی پر تعاقب کرتے ہوئے (تلخیص الحبیر ۲/۲۶۷) میں فرمایا اور عقیلی کا یہ قول کہ اس پر کوئی متابع نہیں ہے محل نظر ہے پھر آپ نے اس کی متابعت بیان فرمائی جو آرہی ہے۔

اور سب سے بہتر قول وہی ہے جیساکہ گزرا کہ یہ شخص مجہول نہیں ہے۔ اور سوائے عقیلی کے کہ اس کی حدیث صحیح نہیں اور اس کا کوئی متابع نہیں اور کوئی قول مروی نہیں۔ اور اگر اس کو جرح تسلیم کر لیا جائے تو بھی متابعت سے زائل ہو جائے گی۔

اور عقیلی کے مقابلے میں ابن عدی کا قول جو کہ انہوں نے (الکامل ۲۳۵۰/۶) میں بیان کیا۔ کہ میرے خیال میں اس میں کوئی حرج نہیں ہے اس کی توثیق ہے اور اس کے ساتھ ساتھ امام احمد بن حنبل کا اس سے روایت کرنا بھی ضمنی توثیق و تعدیل ہے تو موسیٰ بن بلال کی حدیث کی تحسین کرنا ہی صحیح راہ ہے!

امام ذہبی فرماتے ہیں!

امام ذہبی نے ابو حاتم، عقیلی اور ابن عدی سے موسیٰ بن ہلال کے بارے میں اقوال درج کرنے کے بعد فرمایا۔ ہو صالح الحدیث وہ صالح الحدیث ہے۔

(المیزان ۴/۲۲۶)

(دوسری بات)

موسیٰ بن ہلال کی عبید اللہ بن عمر اور عبد اللہ بن عمر سے روایت کا اثبات!

موسیٰ بن ہلال العبدی کی روایت میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ موسیٰ بن ہلال عبید اللہ بن عمر (المصغرؒ) سے روایت کرتا ہے اور بعض نے کہا کہ وہ عبد اللہ بن عمر (المکبر) سے روایت کرتا ہے۔

جن محدثین نے کہا کہ اس نے عبید اللہ بن عمر (المصغر) الحافظ ثقہ سے روایت کی ہے وہ یہ ہیں۔

---

(۱) عبید بن محمد الوراق (۲) جعفر بن محمد البزوری

(۳) محمد بن اسماعیل بن سمرۃ الاحمسی (۴) فضل بن سہل

(۵) اور محمد بن عبد الرزاق۔

پہلی عبید بن محمد الوراق والی روایت کو امام دارقطنی نے اپنی (سنن ۲/۲۷۸)

میں یوں نقل کیا ہمیں قاضی المحاملی انہوں نے عبید بن الوراق انہوں نے موسیٰ بن ہلال العبدی اور انہوں نے عبید اللہ بن عمر سے روایت کی میں کہتا ہوں۔ قاضی المحاملی سے مراد ابو عبد اللہ الحسین بن اسماعیل الضبی المحاملی ثقہ حافظ ہے اور الوراق ثقہ ہے ان کے حالات (تاریخ بغداد ۱۱/۹۷) میں ہیں۔

سنن دار قطنی کے کئی متعدد معتمد نسخے عبید اللہ بن عمر (المصغر) کے ذکر پر متفق ہیں ان نسخوں میں سے ابن بشران کا مطبوعہ نسخہ اور ابو طاہر محمد بن احمد بن عبد الرحیم کا نسخہ جیسا کہ شفاء العقام (ص ۳) اور ابو نعمان تراب بن عبید کا نسخہ جیسا کہ (شفاء السقام ص۵) میں ہے۔

اور اس کو خلعی نے اپنے فوائد میں ابو نعمان کی روایت سے بیان کیا ہے۔ (ل ۵۵/۱) اور اسی طرح دار قطنی کی روایات عبید اللہ بن عمر (المصغر) کے ذکر پر متفق ہیں اور قاضی المحاملی کا متابع عبید بن محمد الوراق سے محمد بن زنجویہ العبیری ہے۔

دوسری روایت: جعفر بن محمد البزوری کی ہے اس کو عقیلی نے (الضعفاء ۴/۱۷۰) میں محمد بن عبد اللہ الحضرمی ثنا جعفر ابن محمد البزوری، ثنا موسیٰ بن ہلال البصری عن عبید اللہ کی سند سے بیان کی ہے۔

اور محمد بن اسماعیل بن سمرہ الاحمسی کی سند تو اس کو امام بیہقی نے (شعب الایمان ۳/۹۰۴) -۲۳۷- میں بیان فرمایا اس کو با سند بیان کیا امام تقی الدین السبکی نے (شفاء الشقام ص ۷) میں۔

اور فضل بن سہل کی روایت اس کو امام بیہقی نے (شعب الایمان ۳/۹۰۴) میں بیان فرمایا۔ اور محمد بن عبد الرزاق کی روایت اس کو قاضی عیاض نے (الشفاء ۲/۴۷) بیان فرمائی ہے۔

یہ پانچ راوی ہیں یہ سب عبیداللہ بن عمر جو کہ ثقہ اور حافظ سے روایت کرنے میں متفق ہیں تو اب اس کے بعد حدیث میں طعن کی کوئی گنجائش و مجال کہاں ہے۔

فصل

جنہوں نے عبداللہ بن عمر العمری المکبر سے روایت کی وہ یہ ہیں

۱:- علی بن معبد بن نوح۔

۲:- فضل بن سہل

۳:- محمد بن اسماعیل الاحمسی

۴:- عبید بن محمد الوراق

علی بن معبد بن نوح کی روایت کو: الدولابی نے (الکنی والاسماء ۲/۶۴) میں بیان فرمایا۔ فضل بن سہل سے سند بیان کی امام تقی الدین السبکی نے ابن ابی الدنیا کے طریق سے (الشفاء السقام ۹) میں بیان فرمایا۔

اور محمد بن اسمٰعیل الاحمسی کی روایت امام بیہقی نے (شعب الایمان ۳/۴۹۰) میں بیان فرمائی۔ اور الوراق کی روایت کو خطیب نے (تلخیص المتشابہ فی الرسم ۳/۵۸۱) میں بیان فرمایا۔ حاصل کلام یہ کہ یہ روایت موسیٰ بن ہلال العبدی سے چھ راویوں نے روایت کی ان میں سے پانچ راوی عن عبیداللہ المصغر کہتے ہیں اور تین راوی دونوں طریقوں سے روایت کرتے ہیں۔ اور پانچواں، راوی عن عبیداللہ بن عمر اکیلا کہتا ہے۔

اور محدثین کے اس میں دو مسلک ہیں۔

۱:۔ یا تو ترجیح دی جائے گی۔ اس طرح عبیداللہ بن عمر (المصغر) کی روایت کو ترجیح ہو گی۔

دوسرا مسلک یہ ہے کہ۔ احتمال ہے کہ حدیث (بیک وقت) عبیداللہ المصغر اور اس کے بھائی عبداللہ المکبر دونوں سے ہو۔ اور ان دونوں سے راوی۔ موسیٰ بن ہلال العبدی ہو مگر یہ کہ وہ زیادہ روایت عبیداللہ بن عمر المصغر حافظ ثقہ سے کرتے ہوں اور البانی متشدد ہونے کے باوجود دونوں روایتوں کا اعتراف کرتا ہے (عبیداللہ و عبداللہ ابنا عمر) اور کہتا ہے کہ یہ اس سے دونوں روایتیں متقابل ہیں

(الا رواء الغلیل ۴/۳۳۷)

لیکن اس میں علت پر بحث کی تو سوائے اضطراب کے اس میں کوئی علت بیان نہ کر سکا لیکن اس علت سے یہ حدیث کیسے ضعیف ہو سکتی ہے اور اس کا جواب بھی ہم ابھی دیں گے (انشاء اللہ)

حاصل کلام یہ کہ سابقہ تمام ابحاث سے معلوم ہوا کہ یہ روایت موسی بن ہلال العبدی عن عبیداللہ بن عمر الامام ثقہ حافظ سے ایسے ہی ثابت ہے جیسا کہ پہاڑ اپنی جگہ قائم ہوتا ہے۔

فصل

اگر کوئی کہے کہ ابن عبدالھادی نے (الصارم المنکی ۳۹،۴۰) میں کہا ہے کہ موسیٰ بن ہلال کبھی تو عبیداللہ، سے روایت کرتا ہے اور یہ اس کی خطا ہے کیونکہ وہ محدثین میں سے نہیں ہے اور نہ ہی نقل حدیث میں مشہور رہے اور اس نے عبیداللہ کو پایا بھی نہیں ہے اور نہ ہی اس سے ملا ہے۔

کیونکہ بعض راوی اس سے: عن رجل عن عبید اللہ کے طریق سے روایت نہیں کرتے بلکہ کسی اور شخص سے عن عبید اللہ کے طریق سے روایت کرتے ہیں چونکہ۔ عبید اللہ اس سے بہت پہلے وفات پا چکا تھا جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا، بخلاف عبداللہ کے کیونکہ وہ اپنے بھائی عبید اللہ کے بعد ایک زمانہ تک زندہ رہا۔ اور موسیٰ بن ہلال ان دونوں بھائیوں۔ عبید اللہ اور عبداللہ میں تمیز نہ کر سکا کہ یہ دو شخص ہیں کیونکہ وہ اہل علم میں سے نہیں اور نہ ہی ضبط کے سلسلہ میں وہ قابلِ اعتماد ہے۔

میں اللہ کی مدد سے کہتا ہوں۔

یہ سراسر زیادتی اور تشدد ہے اور یہ ایسا دعویٰ ہے جو خلاف واقع ہے اور سوائے تعصب کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ اور اگر کچھ لوگ (مثل البانی کے) اس کلام سے استدلال نہ کرتے تو ہم اس پر تنبیہ بھی نہ کرتے۔

قولہ موسیٰ بن ہلال کا کبھی عبید اللہ سے روایت کرنا خطا ہے۔

قلت: بلکہ موسیٰ بن ہلال کا عبید اللہ بن عمر سے صحیح اسانید کے ساتھ روایت کرنا بعض اوقات نہیں بلکہ اکثر اوقات ہے۔ اور اس کے مخارج متعدد ہیں اور اسی طریق سے اس سے پانچ راویوں نے تخریج کی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے جب ابن عبدالہادی اس حدیث میں دعویٰ اضطراب کو ثابت نہ کر سکا تو اس نے اس کی مزید تائید کے لیے موسیٰ بن ہلال کی عبید اللہ بن عمر سے روایت کا انکار کر دیا اور اس پر دو باتوں سے استدلال کیا۔

۱۔ موسیٰ بن ہلال نے عبید اللہ بن عمر کو نہ پایا ہے اور نہ ہی اس سے ملا ہے۔

قلت: بلکہ اس نے ان کو یقیناً پایا ہے۔

کیونکہ موسیٰ بن ہلال نے ان سے متقدم الوفات حضرات سے روایت کی

ہے۔ مثل کہمس بن الحسن البصری المتوفی ۱۴۳ھ (المعرفۃ والتاریخ للفسوی) اس سے روایت حلیۃ الاولیاء لابی نعیم ۶/۲۱۳) میں لکھی ہے۔ اور اس نے ہشام بن حسان سے روایت کی جیسا۔ (کتاب الزہد ۲۷۹ للامام احمد) اور (الحلیۃ الاولیا ۶/۲۱۲) میں ہے۔ اور ہشام بن حسان ۱۴۷ھ یا ۱۴۸ھ کو فوت ہوا۔

جب یہ ثابت ہوگیا تو موسیٰ بن ہلال کی روایت عبیداللہ بن عمر میں بالیقین صحیح ہے کیونکہ اس نے اس کو واضح طور پر پایا ہے پھر یہ بھی ثابت ہے کہ وہ حجاز بھی گیا تھا جیسا کہ۔ (حلیہ ۶/۳۱۳) میں ہے! تو اس سے مزید موسیٰ بن ہلال کی عبیداللہ بن عمر سے روایت کی تائید تاکید ہوتی ہے۔

۲۔ قولہ بعض راوی اس سے بالواسطہ عن عبیداللہ روایت کرتے ہیں اور بعض بلاواسطہ موسیٰ بن ھلال عن عبیداللہ روایت کرتے ہیں!

میں کہتا ہوں: یہ تو بالکل آسان معاملہ ہے اور کمزور دلائل اکٹھا کرنے کا محتاج نہیں۔ اور ان من گھڑت دلائل کے رد سے صرف تنظر ہی اہل نظر کے لیے بہتر ہے۔ لیکن بعض حضرات نے اس کا سہارا لیا ہے اس لیے ان کا رد ضروری ہے۔

جاننا چاہیئے کہ یہ کلام لفظ بعض کی وجہ سے مخدوش ہے۔ پس معنی یہ ہوئے کہ بعض رواۃ اس کو عبیداللہ العمری سے ایک واسطہ کے ذریعے سے بیان کرتے ہیں۔ یہ تو اجمال ہے۔ اور اس کی تفصیل یہ ہے۔

جن راویوں نے موسیٰ بن ہلال سے روایت کیا ہے ان میں امام احمد بن حنبل بھی ہیں ان میں سے یحییٰ بن سعید و عبدالرزاق و حماد بن اسامہ و ابو معاویہ اور دیگر راوی عن عبیداللہ بن عمر ہیں۔

اور ان میں سے ابو امیہ الطرسوسی و علی بن سعید بن نوح البغدادی یہ دونوں

روح بن عبادہ عن عبید اللہ بن عمر سے روایت کرتے ہیں : اور ان میں سے محمد بن اسماعیل الاحمسی و محمد بن جابر المحاربی ہیں یہ دونوں عن وکیع عن عبید اللہ بن عمر کے طریق سے روایت کرتے ہیں اور آخری (محمد بن جابر) عن ابن عیینہ عن عبید اللہ بن عمر سے روایت کرتا ہے۔

الغرض ضروری ہے کہ اس حدیث موسیٰ بن ہلال عن عبید اللہ بن عمر کی سند پر اتصال کا حکم لگایا جائے جب تک کہ ملاقات کی نفی کا یقین نہ ہو بلکہ اس میں تو ملاقات کو ترجیح ہے تو اب اس پر اتصال کا حکم لگایا جائے گا اور پھر ابن عبد عبدالہادی کا یہ کہنا کہ موسیٰ بن ہلال عبید اللہ اور عبد اللہ میں امتیاز نہیں کرتا اور یہ نہیں جانتا کہ یہ دو مختلف اشخاص ہیں اور پھر اس پر استدلال اس بات سے کیا کہ وہ چونکہ اہل علم میں سے نہیں اور نہ ہی ضبط کے معاملہ پر اعتماد کیا جاسکتا ہے

میں کہتا ہوں : یہ بات ابن عبدالہادی کے دعوئے اضطراب (جو اس نے اس حدیث کے بارے میں کیا ہے) کے تابع ہے جس کا رد ہم انشاء اللہ کریں گے۔

جس سے پندرہ اشخاص روایت کریں اور ان میں سے مشہور حفاظ حدیث بھی ہوں جو کہ توثیق کے اعلیٰ درجہ میں ہیں۔

(ان میں سے ابن عبدالہادی اور اس کے مذہب کے امام احمد بن حنبل شیبانی ہیں)

تو کیا انتہا ہوگی تردد، سقوط اختلاط اور جہالت کی کہ جس شخص نے اس حدیث میں اضطراب کا قول کیا ہے اور پھر اس صورت میں بھی عبدالہادی کا کیا حال ہوگا۔

حالانکہ حافظ جلیل یعقوب ابن سفیان الفسوی نے (معرفۃ وفیات المصریین ۱/۱۲۲، ۱۲۷، ۱۲۸) میں اس پر اعتماد کیا ہے!

اب مقصد کا پانا اور سہل ہوگیا۔ پس حدیث قصیر المتن اور مشہور الاسناد ہوگی۔

اب اس پر اضطراب کا دعویٰ بہت ہی عجیب ہے جو کرنا آسان ہے مگر ثابت کرنا مشکل۔

محدثین کے نزدیک یہ اصول طے شدہ ہے کہ اضطراب ایسی مختلف روایات میں ہوتا ہے جن کا جمع ہونا متعذر یا ناممکن ہو۔ پس اس باب میں تین مراتب ہونگے تطبیق، ترجیح اضطراب اور تینوں میں ترتیب واجب ہے۔

حافظ عراقی نے فرمایا:

مضطرب الحدیث ما قد وردا — مختلفاً من واحد فا زیدا
فی متن او سند ان اتضح — فیہ تساوی الخلف اما ان رجح
بعض الوجوہ لم یکن مضطربا — والحکم للراجح منہا واجبا

کسی ایک راوی یا زیادہ سے جب کسی حدیث میں مختلف الفاظ وارد ہوں تو وہ مضطرب الحدیث ہوگی)

یہ متن یا سند میں اگر واضح ہو جائے اور سند میں برابری ہو تو اس میں سے ایک کو ترجیح دی جائیگی تو یہ اب مضطرب کے حکم میں نہیں کیونکہ راجح کے لیے حکم واجب ہے یعنی راجح پر عمل ہوگا نہ کہ مرجوح پر جب موسیٰ بن ہلال سے تمام روایات دونوں طرف سے صحیح ثابت ہو گئیں تو ان احادیث کو جمع کرنا لازم ہے تو ہم کہیں گے کہ موسی بن ہلال دونوں وجہوں سے روایت کرتا ہے کبھی ایک طریقہ پر اور کبھی دوسرے راوی سے دوسرے طریقہ سے (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

فصل

ابن عبدالہادی نے (الصارم ص ۳۴ پر کہا۔

اگر بالفرض موسیٰ بن ہلال کی روایت عبیداللہ سے ثابت بھی ہو جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ حدیث صحیح ہو کیونکہ اس میں عبیداللہ سے یہ روایت کرنے میں اس کے تمام اصحاب میں سے موسیٰ بن ہلال منفرد ہے حالانکہ عبیداللہ کے دوسرے اصحاب موسیٰ کی نسبت زیادہ اس کے پاس رہے اور اس سے زیادہ وہ اس کی حدیث کے حافظ اور اس سے حفظ وضبط میں وہ موسیٰ سے بڑھے ہوئے ہیں یہ تمام اشیاء ظاہر کرتی ہیں کہ یہ حدیث منکر اور غیر محفوظ ہے۔ اور عبیداللہ کے اصحاب اس سے روایت کرنے میں معروف ہیں جیسا کہ یحییٰ بن سعید القطان پھر عبیداللہ کے کچھ اصحاب گنوا کر کہا۔

کہ ان تمام مضبوط اصحاب میں سے کسی نے بھی عبیداللہ سے یہ روایت نہیں کی اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور ثقہ راوی نے یہ روایت اس سے لی ہے لہذا ثابت ہوا کہ یہ منکر اور غیر مقبول ہے اور ہم یقین سے کہتے ہیں جس نے بھی اسے صحیح یا حسن کہا اس نے خطا کی۔

منکر کے دو شرائط

میں کہتا ہوں جب راوی منفرد ہو تو اس روایت کو منکر کہنے کے دو شرائط ہیں۔

۱:۔ یہ کہ منفرد راوی اتنا ضعیف ہو کہ اس کی حدیث کو صحیح یا حسن قرار نہ دیا جا سکتا ہو۔

۲:۔ یہ کہ اس حدیث کے شواہد و متابعات نہ پائے جائیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

جب مستور یا موصوف لبوء حفظ راوی منفرد ہو یا وہ راوی لبعض مشائخ میں

ضعیف ہو بجائے بعض کے اور کوئی اس کا متابع یا شاہد بھی نہ پایا جائے تو یہ منکر کی اقسام میں سے ایک قسم ہے (النکت ،۲ :۶۷۵)

اور موسیٰ بن ہلال العبدی نہ تو مستور ہے اور نہ ہی اس کا حافظہ کمزور اور نہ ہی یہ اسقدر ضعیف ہے تو اس کی حدیث پر یہ حکم کیسے لگایا جائے گا؟ جبکہ اس سے آئمہ محدثین مثلاً امام احمد بن حنبل کے روایت لی ہے۔ اور امام ابن عدی اس کے بارے میں فرماتے ہیں لا بأس به (کہ اس میں کوئی حرج نہیں) اور امام ذہبی فرماتے ہیں: صالح الحدیث۔ اور اگر ہم ایسے شخص کے تفرد کو منکر تسلیم کر لیں تو ہم سنت کے بیشتر و وافر حصہ سے محروم ہو جائیں گے۔ واللہ المستعان، اور اگر ہم ابن عبدالہادی سے متفرد موسیٰ بن ہلال کی تضعیف تسلیم بھی کر لیں تب بھی اس کی منفرد روایت پر منکر کا اطلاق نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے شواہد بہت سارے ہیں بلکہ اس کے متابع بھی ہیں! (جیسا کہ عنقریب بیان ہوگا انشاءاللہ) یہ وہ اصول حدیث ہیں جن سے ابن عبدالہادی نے اپنی تائید کے لیے غفلت سے کام لیا۔

فصل!

اگر ہم موسیٰ بن ہلال العبدی کو ضعیف بھی تسلیم کر لیں تو بھی کوئی دو شخص اس میں اختلاف نہیں کر سکتے (بشرطیکہ ان میں سے ایک ابن عبدالہادی نہ ہو) کہ جب اس حدیث کا متابع پایا جائے اور یہ ایک اور سند سے بھی مروی ہے تو حدیث حسن ہو گی۔

امام طبرانی نے (المعجم الکبیر ۱۲/ ۲۹۱) میں اس سند کے ساتھ روایت کی۔

عبد اللہ بن محمد العبادی البصری، ثنا مسلم بن سالم الجهنی حدثنی عبید اللہ بن عمر عن نافع عن سالم عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من جاءنی زائرا لا یعمل له حاجة الا زیارتی کان حقا علی ان اکون له شفیعا یوم القیامة

بسند مذکور۔ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کوئی صرف میری قبر کی زیارت کے لیے آیا کہ اسکے علاوہ اس کو کوئی اور کام نہیں تھا تو مجھ پر حق ہے کہ میں بروز قیامت اس کا شفیع بن جاؤں۔

امام ہیثمی نے (مجمع الزوائد ۲/۴) میں کہا۔

اس کو امام طبرانی نے المعجم الاوسط اور المعجم الکبیر میں روایت کیا ہے اور اس میں مسلمہ بن سالم راوی ضعیف ہے! اسی طرح اس کو طبرانی۔ خلعی اور ابن صاعد نے روایت کرتے ہوئے کہا، عن نافع عن سالم اور امام ابن المقری نے بھی اپنی معجم میں عن نافع و سالم ہی کہا ہے۔

ان تمام نے، عبداللہ بن محمد العبادی عن مسلمہ عن عبیداللہ العمری کی سند سے بیان کی ہے۔ اور عبداللہ بن محمد العبادی البصری کے حالات۔ امام سمعانی نے: الانساب: میں تحریر کیے ہیں۔ اور اس کا متابع (جو اس سے ثقاہت میں بہتر ہے مسلم بن حاتم الانصاری ہے۔

اس کو ابن حبان۔ ترمذی اور طبرانی نے ثقہ کہا ہے۔

(التہذیب ۱۰/۱۲۵)

وہ اس کو مسلم بن سالم الجھنی عن عبداللہ بن عمر العمری کی سند سے بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ حدثنی نافع عن سالم عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

من جاءنی زائراً لا یعمل لہ حاجۃ الا زیارتی کان حقا علی ان اکون لہ شفیعا یوم القیامۃ

میں کہتا ہوں جو روایت مسلم بن حاتم الانصاری نے کی ہے وہ زیادہ صحیح ہے کیونکہ مسلم، عبداللہ بن محمد العبادی سے زیادہ ثقہ ہے حاصل کلام یہ کہ مسلم بن سالم الجہنی تک سند صحیح ہے لہذا اسی پر کلام کرتے ہیں!

پھر میں کہتا ہوں کہ اگرچہ امام ابوداؤد نے اس کے بارے فرمایا کہ یہ ثقہ نہیں ہے لیکن ابن السکن نے اس کی روایت کو صحیح کہا ہے اور یہ بات اس چیز کی مقتضی ہے کہ وہ اس (ابن السکن) کے نزدیک ثقہ ہو۔

پس جس کی توثیق ابن السکن کرے اور ابوداؤد اس کی تضعیف کرے تو وہ راوی بلاشک متابع بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

فصل!

ابن عبدالھادی یہاں بھی اپنی عادت کے مطابق بے چین ہوا اور اس نے اس متابعت کو ضعیف کہتے ہوئے کہا۔

یہ حدیث ضعیف الاسناد اور منکر المتن ہے یہ احتجاج کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اور اس جیسی حدیث پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اور اس کو اصحاب صحاح ستہ میں سے کسی نے روایت نہیں کیا اور نہ ہی امام احمد نے اپنی مسند میں، اور نہ ہی کسی قابل اعتماد آئمہ میں سے کہ جنہوں نے اپنی کتب میں صحت کا احترام کیا۔ اور نہ ہی کسی قابلِ اعتماد امام نے اس کو صحیح کہا کہ جس کی تصحیح پر اعتماد کیا

جا سکے۔ اور اس میں یہ شیخ متفرد ہے کہ جو نقل علم میں معروف نہیں اور نہ ہی حمل حدیث میں مشہور ہے۔ اور نہ ہی اس کا حال ظاہر ہے کہ جس بنا پر اس کی خبر کو قبول کیا جائے، اور وہ مسلمہ بن سالم الجہنی ہے کہ جو اس منکر روایت کے علاوہ کسی اور روایت کے ساتھ مشہور نہیں ہے اور اس کی دوسری روایت جس کو امام طبرانی نے مندرجہ بالا سند کے ساتھ روایت کیا ہے یہ موضوع ہے اور اس کا متن یہ ہے۔

الحجامة فی الرأس امان	سر میں پچھنے لگانا، جنون و
من الجنون والجذام والبرص	کوڑھ، برص، سستی و کاہلی اور
والنعاس والضرس	دانت درد کی بیماری سے امان ہے

اور اس سے ایک اور منکر روایت۔ العبادی۔ کے علاوہ راوی نے روایت کی ہے پس جب ایسا مجہول الحال قلیل الروایت شخص جیسا کہ ان دونوں حدیثوں میں ہے عبید اللہ بن عمر جو کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی آل میں سے اپنے زمانے میں سب سے زیادہ ثقہ اور عن نافع عن سالم عن ابیہ عبد اللہ بن عمر کے طریق میں احفظ ہے۔ تمام اصحاب عبید اللہ جو کہ ثقات ہیں سے منفرد ہو تو ایسے شخص کے روایت سے احتجاج درست نہیں ہے اور نہ ہی اس کی روائیت پر اعتماد جائز ہے۔

اسے حافظ ابو علی بن السکن نے صحیح قرار دیا ہے:

میں کہتا ہوں کہ اس حدیث کا ضعیف الاسناد اور منکر المتن ہونا اس متعارض ہے اور کہے اسے ایک شخص نے صحیح کہا۔ جو اس فن کا امام اور مقتدا ہے۔ یعنی حافظ ابو علی بن السکن (ابن حزم نے جب کتب حدیث

کے مراتب بنائے تو صحیح ابن السکن کو بخاری و مسلم کے بعد تیسرے مقام پر رکھا ہے انہوں نے اس منفرد طریق کی تصحیح کی ہے اب کیا خیال ہے؟

پس یہ طریق موسیٰ بن ہلال کا متابع ہے جو حسب قواعد مقبول حدیث ہے۔ اور منکر المتن ہونے پر کوئی دلیل نہیں "منکر المتن" یہ ایسا دعویٰ ہے کہ جس کی کوئی سند نہیں ہے یہ صرف سینہ زوری ہے اور ابن عبد الہادی نے اس پر کوئی دلیل قائم نہیں کی تاکہ اس دعویٰ کو قائم رکھا جا سکے۔

فن حدیث سے آگاہ شخص یہ اعتراض کر ہی نہیں سکتا

اس (ابن عبد الہادی) کا یہ کہنا کہ اس حدیث کو اصحاب صحاح ستہ اور نہ ہی امام احمد نے اپنی مسند میں اس کو روایت کیا ہے۔ الخ

ایسا اعتراض وہ شخص نہیں کر سکتا جو علم حدیث سے واقف ہو جیسا کہ ابن عبد الہادی کیونکہ علماء حدیث کے لیے یہ شرط ہرگز نہیں لگانے کہ وہ حدیث ان کتب میں مروی ہو جن کا نام ابن ہادی نے لیا ہے۔ کیونکہ اعتبار سند کا ہے نہ کہ کتاب کا، ماسوائے ان کتب کے کہ جن میں معین شرائط ہیں۔ کیونکہ کتاب حدیث کی قوت اور ضعف میں فائدہ نہیں دیتی ایسے ہی صاحب کتاب، حدیث کو کسی قسم کا فائدہ نہیں دیتا اگر اس کی بیان کردہ سند ضعیف ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کتاب منکرات واہیات اور موضوعات سے بھری ہوتی ہے اور مصنف اسمیں احادیث صحیحہ اور حسن مقبولہ اور متابعات مقبولہ سنداً بیان کر دیتا ہے تو اس حدیث پر صحت یا حسن کا حکم کتاب سے بالاتر ہو کر سند کے حال کے مطابق لگایا جائے گا۔ تمام کتب حدیث کا یہی حال ہے سوائے ان کتب کے کہ جن میں صحیح کی شرط لگائی ہے جیسا کہ اصحاب صحاح اور

مستخرجات
حاصل کلام یہ کہ ابن عبدالہادی کا کلام قواعد علم حدیث کے بالکل مخالف ہے کیونکہ صحت حدیث کی شرائط میں یہ شرط ہرگز نہیں ہے کہ وہ فلاں کتاب میں موجود ہو اور فلاں کتاب میں نہ ہو!

اور اس متابعت کی تصحیح ابن السکن نے یوں کی ہے کہ اس نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے! اور اسے امام طبرانی نے المعجم الکبیر اور المعجم الاوسط دونوں میں ذکر کیا اور یہ دونوں کتب اسلام کی امہات کتب میں سے ہیں۔

ابن تیمیہ نے (المنہاج ۱۲۲/۲) میں کہا!

کہ احادیث منقولہ کے صدق وکذب کا مدار اس کے طرق (اسناد) پر ہوتا ہے۔ غور کرو طرق کہا اور ابن عبدالہادی کا قول کہ اس حدیث میں یہ شائخ منفرد ہے۔ الخ

میں کہتا ہوں: اس شیخ سے مراد مسلمہ بن سالم الجہنی ہے جیسا کہ گزرا وہ اس میں منفرد نہیں ہے۔ بلکہ اس کا متابع موسیٰ بن ہلال ہے اور جیسا کہ اوپر کلام مفصل گزر چکا کہ مسلمہ بن سالم الجہنی متابعات کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اور اس کی دو حدیثیں جن کو طبرانی نے روایت کیا ہے ان پر ابن عبدالہادی نے وضع اور نکارۃ (منکر) کا حکم لگایا ہے۔ پہلی حدیث: وہ پچھنے لگانے والی حدیث ہے کہ سر میں پچھنے لگانا۔ جنون۔ کوڑھ برص سستی اور دانت درد سے شفا ہے۔

ابن عبدالہادی سے پہلے اس پر کسی نے موضوع ہونے کا حکم نہیں لگایا۔ اس نے اس حدیث پر وضع کا حکم کیسے لگایا جبکہ اس کا شاہد حضرت عبداللہ

ن عباس سے موجود ہے۔

جسے عقیلی نے (۱/۸۳) اور ابن عدی نے (۲۰۷۳/۲) نے روایت کیا ہے۔

اس میں اسماعیل بن شیبہ الطائفی اگرچہ ضعیف ہے لیکن اس پر کذب کی تہمت نہیں ہے۔

جب یہ شاہد مسلم بن سالم الجہنی کے ساتھ مل گیا تو اب اس پر وضع کا حکم لگانا قواعد حدیث کی رو سے نہایت عجیب ہے۔

اور دوسری حدیث تو اس میں معمولی جرح ہے کوئی بڑا معاملہ نہیں ہے اور اس سے راوی استشہاد سے خارج نہیں ہوتا اور امام ہیثمی نے (مجمع الزوائد ۲/۲۱۱) میں مسلم بن سالم کی صرف تضعیف کی ہے یعنی اس کا متابعات اور شواہد میں اعتبار کیا جائے گا۔ اور یہ قول حافظ، ناقد اور صائب الرائے محدث کا ہے کسی متشدد اور جرّاح کا نہیں ہے کہ اس سے صرف نظر کرلی جائے۔

اور اس (عبدالہادی) کا قول: کہ جب ایسا مجہول الحال اور قلیل الروایۃ شیخ متفرد ہو جیسا کہ ان دو نوں ہی روایات میں عبیداللہ بن عمر سے ہے (الخ)

میں کہتا ہوں یہ ایسا دعویٰ ہے جو اس سے پہلے کسی نے نہیں کیا۔ اور نہ ہی یہ راوی مجہول الحال ہے۔ کیونکہ اس بات کی کسی نے تصریح نہیں کی۔ بلکہ اس سے ایک جماعت نے روایت لی ہے ابن السکن نے اس کی تصحیح بیان کی ہے۔ اور امام ابو داؤد نے اس کے بارے میں کہا کہ یہ ثقہ نہیں ہے اور یہ کوفہ میں بنی حرام کی مسجد کا امام تھا اس کے بعد یہ شخص کیسے مجہول ہو سکتا ہے؟

اور اگر یہ عبیداللہ بن عمر العمری سے متفرد بھی ہو تو کوئی نقصان نہیں کیونکہ اس کا تابع موسیٰ بن ہلال البصری ہے اور اسی طرح کے شبہہ کا جواب پیچھے کلام میں گزرا ہے

عبداللہ بن عمر العمری کا مقام

رہی تیسری بات جو عبداللہ بن عمر العمری کے حال سے خاص ہے۔ ابنِ عبدِ الہادی نے اس بارے میں کہا۔

ائمہ جراح و تعدیل کی ایک جماعت نے عبداللہ العمری میں کلام کیا ہے۔ اور اس کی طرف سوءِ حفظ اور روایات میں مخالفتِ ثقات کی نسبت کی ہے امام ابو حاتم محمد بن حبان البستی نے کتاب (المجروحین من المحدثین) میں کہا۔ عبداللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن الخطاب العمری، عبیداللہ بن عمر کا بھائی اہل مدینہ میں سے ہے وہ نافع سے روایت کرتا ہے اور اس سے عراقیوں اور اہل مدینہ نے روایت کی ہے۔ اس پر نیکی اور عبادت کا غلبہ تھا حتیٰ کہ اخبار کو حفظ کرنے اور آثار کے حفظ میں غفلت برتی پس اس کی روایت میں مناکیر ہیں لہذا جب فحش قسم کی غلطی کرے تو ترک کا مستحق ہے ۱۷۳ھ میں فوت ہوا۔

ہمدانی نے روایت کی وہ عمرو بن علی سے کہ یحییٰ بن سعید عبداللہ بن عمر سے حدیث نہیں لیتے تھے اور ابو حاتم نے کہا کہ یہ وہی ہے جس نے نافع عن عمر کے طریق سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وضو فرماتے تو اپنی داڑھی مبارک کا خلال کرتے تھے۔ اور اس نے نافع عن ابن عمر سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

من اتی عرافا فسألہ لم تقبل لہ صلاۃ اربعین یوما	جو نجومی کے پاس گیا اور اس سے سوال کیا تو اس کی نماز چالیس دن تک قبول نہیں ہو گی۔

اور نافع عن ابن عمر سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اسھم للفارس سھمین و — کہ گھوڑ سوار کیلئے دو حصے اور
للراجل سھما — پیدل جہاد کرنیوالے کیلئے ایک حصہ ہے

اس میں ایسے مقلوبات اور ملزوقات ہیں جن کا انکار ہر وہ شخص کرے گا جس کا مطالعہ گہرا اور ان کے مصادر سے واقف ہے۔

امام ابوعیسیٰ ترمذی نے اپنی (جامع) میں فرمایا۔

عبداللہ بن عمر کی یحییٰ بن سعید نے حفظ کی وجہ سے تضعیف فرمائی ہے۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں فرمایا۔ یحییٰ بن سعید اس کی تضعیف کرتے تھے۔ امام نسائی نے۔ کتاب الکنی: میں فرمایا ضعیف ہے۔

امام عقیلی فرماتے ہیں۔

یحییٰ بن معین نے اس کو ضعیف کہا۔

عبداللہ فرماتے ہیں میں نے اپنے باپ سے اس کے بارے پوچھا تو فرمایا۔ یہ ایسا ایسا ہے۔

امام ابو زرعہ دمشقی نے فرمایا۔

امام احمد بن حنبل سے کہا گیا کہ عبداللہ بن عمر کی حدیث کیسی ہے تو فرمایا کہ یہ اسانید میں زیادتی کرتا ہے اور مخالفت کرتا ہے۔ آدمی نیک تھا۔

امام عقیلی نے امام احمد کا یہ قول ابو بکر الاثرم سے بیان فرمایا ہے۔

اسحق بن منصور نے امام یحییٰ بن معین سے روایت کی انہوں نے کہا (صویلح) ہے۔

امام عبداللہ بن علی المدینی نے اپنے باپ علی بن المدینی سے روایت کی کہ وہ ضعیف ہے۔ امام یعقوب بن شیبہ نے فرمایا صدوق (سچا) ہے مگر اس کی حدیث میں اضطراب ہے۔ امام صالح بن محمد البغدادی نے فرمایا!

کمزور اور لین الحدیث ہے۔ امام ابو احمد حاکم نے کہا کہ یہ ان کے نزدیک قوی نہیں ہے۔ (الصارم المنکی ۳۶ - ۳۸)

میں کہتا ہوں کہ ابن عبدالہادی نے زیادتی سے کام لیا ہے کہ جرح تو تمام بیان کردی مگر تعدیل سے صرف چند چیزوں پر قناعت کی۔

اب جو شخص ابن عبدالہادی کی عبارت تک ہی محدود رہے گا تو وہ سمجھے گا کہ یہ راوی واقعی ضعیف ہے لیکن فی الواقع اور نفس الامر اس کے بالکل الٹ ہے۔ لہذا ان درج ذیل امور کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔

فصل

ابن حبان جرح میں متشدد ہیں:

۱:- ابن حبان نے یہ کلام (المجروحین ۲/۶) میں کہا ہے۔

ابن حبان کا جرح میں مبالغہ کرنا اور متشدد ہونا مشہور ہے

محدثین کی ایک جماعت نے ابن حبان کا تشدد اور مبالغہ بیان کیا ہے

ان میں سے امام ذہبی اور ابن حجر بھی ہیں

امام ذہبی (المیزان ۱/۲۷۳) میں افلح بن سعید کے حالات میں ابن حبان کے قول (کہ یہ ثقات سے موضوعات روایت کرتا ہے اس سے احتجاج جائز نہیں اور اس سے کسی حال میں بھی روایت نہیں لی جائے گی) پر فرماتے ہیں۔

ابن حبان بعض اوقات ثقہ راوی پر جرح کرتا ہے حتی کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے منہ سے کیا نکل رہا ہے۔ اور محمد بن فضل السدوسی المعروف بعارم

کے حالات (۴/۸) میں فرمایا۔

دار قطنی نے کہا کہ آخر میں اس کا حافظہ متغیر ہو گیا تھا اور اختلاط کے بعد اس پر حدیث منکر ظاہر نہیں ہوتی تھی۔

اور عارم ثقہ ہے۔

میں (ذہبی) کہتا ہوں یہ قول اپنے زمانے کے اس حافظ کا ہے کہ امام نسائی کے بعد اس جیسا کوئی نہیں آیا۔ اب ابن حبان کا قول کہاں گیا جو اس نے عارم کے بارے کیا۔

یہ آخری عمر میں مختلط اور متغیر ہو گیا تھا حتی کہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا بیان کر رہا ہے پس اس کی حدیث میں کثرت سے منکر روایات واقع ہو ہو گئیں پس واجب ہے کہ اس کی ایسی حدیث سے اجتناب کیا جائے جو اس سے متاخرین کی ہیں۔ اور جب اس کی تمیز نہ ہو سکے تو اس کی تمام احادیث کو ترک کر دینا چاہیئے اور کسی شئے میں بھی اس سے احتجاج نہ کیا جائے گا۔

اور ایوب بن عبدالسلام کے ترجمہ (۱/۲۹۰) میں کہا۔

ابن حبان صاحب طعن تشنیع اور صاحب تشغیب ہے۔ اور سوید بن عمرو الکلبی کے ترجمہ میں انکی ابن معین وغیرہ سے توثیق بیان کرنے کے بعد کہا۔

ابن حبان حد سے بڑھ گیا اور اسراف کرتے ہوئے کہا کہ یہ شخص اسناد کو قلب کر دیتا ہے اور صحیح اسناد کے ساتھ من گھڑت متون بیان کر دیتا ہے۔

(المیزان ۱/ ۲۵۳)

اور عثمان بن عبدالرحمن الطرائفی کے حالات (۳/۴۵) میں فرمایا۔

اور ابن حبان نے اپنی عادت سے مجبور ہوتے ہوئے کہا۔

یہ ضعیف لوگوں سے اشیاء روایت کرتا ہے اور ثقات سے

تدلیس کرتا ہے کہ سننے والے کو شک بھی نہیں گزرتا کہ یہ موضوع ہے پس اس کی اخبار میں موضوعات کی بھرمار ہو گئی تو لوگوں نے اس پر جرح کی میرے نزدیک اس سے کسی حال میں بھی روایت لینا جائز نہیں ہے۔

حاصل کلام یہ کہ ابن حبان کا کلام اس باب میں تسلیم نہیں کیا جائے گا۔ خاص کر ایسے رجال کے بارے میں جن کی توثیق کی گئی ہے۔ ابن حبان نے دلیل کے طور پر عبداللہ العمری کی تین احادیث بیان کر کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ان میں عبداللہ نے خطا کی ہے۔

۱:۔ کہ اس نے نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب وضو فرماتے تو داڑھی شریف کا خلال کیا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر اس روایت میں کوئی علت ہے تو وہ عبداللہ العمری سے روایت کرنے والے راوی میں ہے۔

اس پر محدثین کی تصریح موجود ہے مثلاً

امام طبرانی نے المعجم الاوسط (مجمع البحرین ۱/۳۹) میں کہا یہ روایت سوائے مؤمل بن اسماعیل کے اور کسی نے عبداللہ العمری سے نہیں کی۔ اور مؤمل بن اسماعیل کی جماعت محدثین نے تضعیف کی ہے امام بخاری ان کے بارے میں فرماتے ہیں۔ منکر الحدیث ہے۔

پس اولی بلکہ واجب ہے کہ اس علت کا سبب مؤمل بن اسمٰعیل کو ہی بنایا جائے۔

۲۔ امام ابن حبان نے کہا کہ عبداللہ نے روایت کی نافع سے انہوں نے ابن عمر سے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو کوئی نجومی کے

پاس آیا اور اس سے سوال کیا اس کی چالیس روز تک نماز قبول نہیں ہوتی۔ اسے ابن وہب نے (الجامع ۱۱۴) میں اس طرح بیان کیا ہے۔

میں نے عبداللہ سے سنا وہ نافع سے روایت کرتا ہے وہ حضرت ابن عمر سے مرفوعاً بیان کرتا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ابن حبان کا خیال ہے کہ عبداللہ نے اپنے بھائی کی مخالفت کی ہے جس نے اس روایت کو نافع عن صفیہ عن لبعض ازواج النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریق سے مرفوعاً بیان کیا ہے۔

اس سند سے اس کو مسلم نے اپنی (صحیح ۴/۱۷۵۱) امام احمد نے اپنے مسند میں (۴/۶۸) ابو نعیم نے (حلیہ ۱۰/ ۴۰۷) اور تاریخ اصبہان میں اور بیہقی نے (السنن الکبری ۸/ ۱۳۸) میں روایت کیا۔ پس ابن حبان نے عن نافع عن صفیہ والی سند کو صواب قرار دیدیا۔ حالانکہ ابو نعیم نے (حلیہ ۸/ ۲۴۶) میں ابو اسحاق السبیعی عن سعید بن وہب عن ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً روایت بیان کی۔

میں کہتا ہوں کہ ابو اسحاق السبیعی اور سعید بن وہب دونوں معروف اور ثقہ ہیں یہ متابعت ظاہر کرتی ہے۔ یہ حدیث سند عبداللہ بن عمر سے صحیح ہے اور اس میں عبداللہ العمری نے کوئی خطا نہیں کی جیسا کہ عبداللہ العمری کو خاطی قرار دینے والوں نے جلد بازی سے کام لیا ہے۔

۳:- ابن حبان نے کہا۔ کہ نافع نے حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گھوڑ سوار مجاہد کے لیے مالِ غنیمت میں سے دو حصے اور پیدل مجاہد کے لیے ایک حصہ ہے۔

میں کہتا ہوں کہ ابن حبان کا خیال ہے کہ اس میں عبداللہ العمری نے

اپنے بھائی عبیداللہ کی مخالفت کی ہے کہ اس نے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعل الفرس سھمین ولصاحبہ سھمًا۔ کہ گھوڑے کے لیے دو حصے اور پیدل کیلیے ایک حصہ ہے۔

اس کا جواب وہی ہے جو کہ علامہ ابن حجر نے (فتح الباری ۶/۶۸) میں دیتے ہوئے کہا۔

اس کا معنی یہ ہے کہ ایک حصہ گھوڑے والے کیلیے اس کے گھوڑے کے سبب اس حصہ کے سوا ہے جو کہ اس کا اپنا مخصوص حصہ ہے۔

اور اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اس میں عبداللہ العمری نے خطا کی ہے تو یہ اس کی ہر روایت کے لیے تو نقصان دہ نہیں ہو گی۔ اور زیادہ روایات کرنے والا آدمی کبھی کسی حدیث میں غلطی کر جائے تو اس کا جو حکم ہوتا ہے اس کے مطابق ہو گا

اعتراض و جواب:

اور اگر کہا جائے کہ معنی ترک ابن حبان کے علاوہ ابن عمار الموصلی نے بھی ذکر کیا ہے اور وہ ابن عمار الموصلی ہیں جیسا کہ (تہذیب التہذیب ۵/۳۲۸) میں ہے کہ اس کو سوائے یحیٰی بن سعید کے کسی اور نے ترک نہیں کیا۔

میں کہتا ہوں کہ عمرو بن علی القلاس نے کہا کہ یحیٰی بن سعید اس سے روایت نہیں کرتے۔ یہ اور اس کے علاوہ کسی نے بھی یحیٰی بن سعید کی اس سے عدم روایت پر دلیل بیان نہیں کی۔ اور ماہر فن جانتا ہے

کہ ابن عمار نے ترک کا لفظ یہاں اصطلاحی معنی میں استعمال نہیں کیا۔ بلکہ ان کا لفظ بمعنی عدم روایت لیا ہے اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے جو ذہن میں رکھنا چاہیئے اور اس کی تائید و وضاحت امام ابو عیسیٰ، ترمذی کا قول کرتا ہے جو (العلل سے شرح، ۱۲) میں ہے! کہ یحییٰ بن سعید سے منقول کہ جب ایک آدمی اپنے حفظ سے حدیث بیان کرے اور دوسری مرتبہ اس کے علاوہ بیان کرے تو ایک روایت پر اس کا ترک ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان لوگوں سے حدیث بیان کی گئی ہے کہ جن کو یحییٰ بن سعید القطان عبداللہ بن الہادی جس نے عبداللہ العمری کی حدیث میں عیب بیان کیا ہے ایک راوی کے بارے میں خود کہتا ہے کہ یحییٰ بن سعید کا کسی راوی سے خوش نہ ہونا اس کے روایت کے قادح نہیں ہے کیونکہ یحییٰ کی شرائط رجال کے بارے میں بڑی سخت ہیں اور اسی لیے وہ خود کہتے ہیں کہ میں کسی راوی سے راضی نہیں ہوتا مگر یہ کہ اس راوی سے پانچ آدمی روایت کریں۔ اس حیثیت سے اگر وہ کسی روای سے روایت نہیں کرتے تو وہ عبداللہ العمری کی طرح ہی ہوگا۔ (فتاٰل)

ترک کا معنی روایت نہ لینا بھی ہے

حافظ ابن حجر نے مقدمہ الفتح الباری (۴۰۲) میں زبیر البصری کے حالات میں فرمایا۔

امام باجی نے بخاری کے رجال کے بارے میں علی بن مدینی سے بیان کیا کہ اس کو شعبہ نے ترک کیا ہے تو میں کہتا ہوں ان کی اس سے مراد یہ ہے کہ شعبہ نے اس سے روایت نہیں لی۔ اور ان دونوں لفظوں

میں واضح فرق ہے۔ اور کبھی روایت نہ لینا ایسے شبہہ کی بنا پر ہوتا ہے جس سے جرح لازم نہیں آتی۔ اور قابل التفات نہیں ایک ان دلائل میں سے جو دلالت کرتے ہیں کہ عبد اللہ العمری کے بارے میں ابن حبان کا قول غیر معمول بہ اور قابل التفات نہیں ایک دلیل یہ ہے کہ العمری کے بارے محدثین کی دو آرا ہیں بعض ان کی روایت کو قبول کرتے اور بعض انہیں ضعیف قرار دیتے ہیں اور یہ دوسرا گروہ بھی ان کی حدیث کو بطور متابع اور شواہد قبول کرتا ہے۔ اور یہ طے شدہ اصول ہے کہ متروک کی حدیث متابعات اور شواہد میں بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ پس معلوم ہوا کہ اس کا ضعف ان کے نزدیک نہایت خفیف ہے جو کہ متابع اور شاہد کے آنے سے زائل ہو جاتا ہے۔ اور اس کی حدیث حسن لغیرہ کے درجہ میں ترقی کر جاتی ہے۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ یہ وہ شخص ہے جس سے امام مسلم نے صحیح میں اسکے بھائی عبید اللہ کے ساتھ مقروناً روایت لی ہے۔

یہی جس راوی سے امام مسلم اپنی صحیح میں اخراج کریں اگرچہ کسی دوسرے کے ساتھ مقروناً ہی ہو تو کیا اس کا حال وہ ہو گا جو کہ ابن حبان نے بیان کیا اور ابن عبد الھادی نے اس پر اعتماد کیا۔

دو وجوہ سے محل نظر

ابن عبدالہادی نے امام احمد بن حنبل سے ان کا یہ قول نقل کیا کہ یہ ایسا ایسا ہے اور یہ سندوں میں زیادتی کرتا اور مخالفت کرتا ہے لیکن آدمی نیک تھا:

میں کہتا ہوں کہ جہاں تک پہلے قول کا تعلق ہے تو وہ دو وجہ سے محل نظر ہے۔

۱:۔ امام ذہبی نے میزان (۴/۳۸۴) میں یونس بن ابی اسحاق السبیعی کے حالات میں امام احمد کے قول (کذا و کذا) کے بارے میں فرمایا۔ کہ یہ قول عبداللہ بن احمد زیادہ تران کے بارے میں استعمال کرتے ہیں جن کے بارے میں ان کے والد نے آگاہ کیا دیگر مقامات پر اس کا استعمال بتاتا ہے کہ یہ اس راوی کے بارے ہے کہ جس میں لین ہو اور لین کا درجہ ضعف سے نہایت کم درجہ ہوتا ہے۔

لیکن افسوس ابن عبدالہادی نے امام احمد کا وہ قول ذکر نہیں کیا جو العمری کی توثیق پر دلالت کرتا ہے۔

انہوں نے کہا۔

صالح لا باس به وقد روى عند الناس (یہ صالح آدمی ہے اس میں کوئی حرج نہیں اور بہت لوگوں نے اس سے روایت لی ہے)

(الجرح والتعدیل ۵/۱۰۹-۱۱۰)

۲- امام ابن عدی نے (الکامل)۔ (۴/۱۴۶۰) میں باسند۔

امام احمد سے العمری کے بارے نقل فرمایا کہ وہ ایسا ایسا ہے۔
ابوطالب نے کہا کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے العمری کے متعلق پوچھا
توانہوں نے فرمایا۔

صالح قد روی عنہ	صالح ہے اور اس سے روایت لی
لا بأس بہ ولکن لیس	گئی ہے اس میں کوئی حرج نہیں
مثل اخیہ عبید اللہ	لیکن یہ اپنے بھائی عبید اللہ کے
	مثل نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کہ امام احمد بن حنبل کے اقوال سے آگاہ آدمی جانتا ہے
کہ ان کا کلام اس راوی کی توثیق نسبی یا ضعف ـــ بیان کر رہا ہے۔
کیونکہ دوسرا لفظ لاکر معنی متعین کر رہا ہے کہ وہ لبنسبت اپنے بھائی
عبید اللہ (جوکہ زبردست ثقہ اور حافظ ہے) سے نچلے درجے میں ہے۔

امام سخاوی کا اہم نوٹ

اور امام سخاوی نے جرح وتعدیل نسبی پر (فتح المغیث ۱/۳۴۸)
میں یہ نوٹ لکھا ہے۔
ضروری ہے کہ تزکیہ کرنے والوں کے اقوال ومخارج میں آدمی غور و
فکر کرے۔ کبھی وہ کہتے ہیں۔ فلاں ثقہ ہے یا ضعیف ہے تو اس
سے انکی مراد یہ نہیں ہوتی کہ ان کی روایت سے احتجاج درست ہے
یا اس کی روایت کو رد کر دینا چاہیئے بلکہ یہ اس شخص کی لبنسبت ہوتا
ہے جو کہ اس کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے کہ جس کے بارے میں سائل
سوال کرتا ہے۔ وہ فاضل کے بارے میں اس کے حدیث متوسط ہونے

کے بارے سوال کرتا ہے اور وہ ضعفا کے ساتھ ملا ہوا ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ تو وہ کہتا ہے فلاں ثقہ ہے تو اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ ضعیف نہیں اور جب اس سے صرف اکیلے کے بارے میں سوال ہوتا تو وہ اس کا حال متوسط بیان کرتا ہے اس کی بہت ساری مثالیں ہیں مگر ان کے ذکر سے کلام طویل نہیں کرنا چاہتے۔ (یعنی راوی بذاتِ خود متوسط درجہ کا ہے لیکن جب اس کے ساتھ دوسرا شخص ملا ہوا ہو اور دونوں کے بارے میں اکٹھا سوال ہو تو ضعیف راوی کی نسبت اس کو مطلقاً ثقہ کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ وہ متوسط طبقہ کا ثقہ ہوتا ہے اِسی طرح مطلقاً ضعیف کہہ دیا جاتا ہے حالانکہ وہ متوسط درجہ کا ضعیف ہوتا ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ روایت عبداللہ کے مطابق امام احمد کا العمری کو کمزور کہنا اس کے بھائی عبیداللہ کی نسبت (جو ثقہ اور حافظ ہے) اور اس کی تائید ابن عبدالہادی سے بھی آئے گی۔ (انشاءاللہ)

فصل

امام ابن معین کی توثیق

ابن عبدالہادی نے امام یحییٰ بن معین سے دو قول نقل کیے ہیں پہلا یہ کہ اس کا ضعیف ہونا دوسرا اس کا نہایت ہی کم درجہ کا صالح ہونا۔

مگر ان کے بارے میں یحیی بن معین نے جو کچھ کہا ہے وہ تمام کا احاطہ نہیں کیا۔

ابن ابی مریم نے یحییٰ بن معین سے ان کے بارے میں نقل کیا۔

لیس بہ بأس — اس میں کوئی حرج نہیں اور اس

یکتب حدیثہ — حدیث لکھی جاتی ہے۔

اور یہ تو معلوم ہی ہے کہ ابن معین کا کس شخص کے بارے میں لیس بہ بأس کہنے کا معنی یہ ہوتا ہے کہ وہ ثقہ ہے۔

عثمان بن سعید الدارمی کہتے ہیں میں نے ابن معین سے کہا کہ عبد اللہ بن العمری کا نافع سے کیا حال ہے فرمایا کہ۔ صالح ثقہ ہے (الکامل ۴/۱۴۵۹)

١۔ ابن معین سے العمری کی مطلقاً توثیق مروی ہے

۲۔ اس سے اس کی روایت بالخصوص نافع سے توثیق ہے۔ جیسا کہ ہماری یہ حدیث ہے۔

یہ امام جرح والتعدیل کی طرف سے نزاع کو ختم کرنے کے لیئے نص ناطع ہے۔

جس امام دارمی نے امام ابن معین سے یہ نص روایت کی ہے وہ ان کے مشہور اور معتبر ترین شاگردوں میں سے ہے۔

سابقہ عبارات سے معلوم ہوا کہ امام احمد اور امام جرح والتعدیل یحییٰ بن معین کے اقوال میں سے راجح اقوال کے مطابق عبد اللہ بن عمر العمری کی حدیث مقبول ہے اور جب تک اس کی مخالفت نہ پائی جائے گی اس پر اعتماد کیا جائے گا۔ یہ اس کی مشہور جمہور ثقات کے نزدیک شان ہے۔

فصل

عبداللہ بن عمر العمری کی توثیق پر ائمہ محدثین کی تصریحات

جب قارئین کرام پر یحیی بن معین و احمد بن حنبل اور ابن حبان کے "العمری" کے بارے میں اقوال کی حقیقت واضح ہو چکی تو اس سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اس کو جماعت ائمہ نے ثقہ کہا ہے اور بہت سے حفاظِ امت نے اس پر اعتماد کیا ہے اور یہ کتب جرح و تعدیل میں مشہور و مسطور ہے۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ ابن عبدالہادی نے ان اقوال توثیق کو بیان نہیں کیا۔ اور "العمری" کو ثقہ کہنے والوں میں (جس کا ذکر ابن عبدالہادی نے نہیں کیا) وہ امام العلم احمد بن صالح المصری ہے۔ (ثقات ابن شاہین ۱۵۱)

امام ابو حاتم الرازی (الجرح ۵/۱۱۰) میں بیان کرتے ہیں۔

میں نے احمد بن صالح کو دیکھا کہ یحسن الثناء علی عبداللہ العمری وہ عبداللہ بن عمر العمری کی تعریف کرتے تھے۔

امام عجلی نے فرمایا۔

لا بأس بہ (الثقات ۲۳۹) کہ اس سے روایت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابن شاہین نے اس کو ثقہ کہا کیونکہ انہوں نے اس کو اپنی (کتاب الثقات ۱۵۱) میں ذکر کیا ہے۔

امام خلیلی نے فرمایا۔

ثقہ ہے لیکن حفاظِ حدیث اس کے حفظ سے راضی نہیں ہیں اور ان کا کہنا کہ "حفاظِ حدیث ان کے حفظ سے راضی نہیں"، کا مفہوم یہ ہے کہ بہت زیادہ محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ ایسے اقوال کی مثال (مقدمہ فتح الباری ۔ ۴۲۰) میں ملاحظہ فرمائیں۔

یا شاید اس سے مراد یہ ہو کہ اس کا حافظہ اپنے بھائی عبید اللہ العمری کی طرح قوی نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں بہت سارے اقوال اس کے بھائی کی مقارنت کی وجہ سے واقع ہوئے ہیں۔

جیسا کہ امام ابنِ عدی کی اس سلسلہ میں تصریح آرہی ہے۔

الغرض یہ راوی امام ابو یعلی الخلیلی کے نزدیک ثقہ ہے۔

عبد الرحمن بن مہدی اس سے روایت کرتے ہیں اور اس کی ابو یعلی الموصلی تحسین کرتے ہیں اور ایسے ہی یعقوب بن شیبہ اس کو حسن کہتے ہوئے (تاریخ بغداد : ۱۰/۲۰) میں کہا۔

صدوق ہے مگر اسکی حدیث میں اضطراب ہے۔

حدیث میں اضطراب کا ہونا اس کو ثقہ اور صدوق کی تعریف سے خارج نہیں کرتا۔

ابن السکن نے اس کی حدیث کو صحیح کہا اور یہ اُن کی طرف سے اس کی توثیق ہے۔

اور امام ترمذی نے اس کی حدیث کو حسن کہا (ترمذی مع شرح تحفہ ۹/۳۹۱۔۳۹۲) باب مایقول اذا رای مبتلی۔ اور باب فی ثواب الحج (۳/۳۹۰) اور باب دخول مکہ نہاراً)

(یہاں عبدالرحمٰن مبارکپوری کو سہو ہوا کہ اس نے اسے عبیداللہ بن عمر العمری سمجھا حالانکہ یہ عبداللہ بن عمر العمری ہے) (تحفۃ ۶ : ۱۰۷)

امام بخاری نے اس کی حدیث کی تصیح کو جائز رکھا جیسا کہ ان کی عبارت (جزء رفع الیدین ۲۵) میں اس کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اور انہوں نے اس کو اپنی صحیح کی کتاب العلم باب المناولہ (الفتح ۱/۱۵۴) میں ذکر کیا اور کرمانی نے جزم کیا ہے کہ یہ العمری ہے اور امام بدرالدین عینی بھی اس طرف مائل ہیں (۱/۴۰۷) اور حافظ ابن حجر نے ان دونوں کی مخالفت کی ہے (الفتح ۱/۱۵۴) اور امام ابن کثیر نے سورہ القصص کے شروع میں ان کی تحسین کی ہے اور امام المنذری نے الترغیب والترہیب میں اس کو حسن کہا ہے۔ (لیکن اس وقت مقام یاد نہیں کہ کہاں ذکر کیا ہے)

ابنِ عدی نے (الکامل : ۵/ ۱۸۶۹) میں کہا کہ لوگوں نے اس کی توثیق کی ہے۔ یعنی لوگوں نے اس کی حدیث قبول کی ہے!

امام ابن عدی نے (الکامل ۴/۱۴۶۱) میں فرمایا

عبداللہ عمر کی حدیث صالح ہے اور اس سے ابن وہب اور وکیع جیسے ثقات نے روایت لی ہے اور ان کی روایات میں کوئی حرج نہیں اور ائمہ نے ان کے بارے میں فقط یہ فرمایا کہ وہ اپنے بھائی عبیداللہ کی طرح ثقہ نہیں ہے لیکن بذاتِ خود صدوق ہے اور اس سے روایت لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

امام ابنِ عدی کا یہ قول ان کے بارے میں نہایت ہی معتدل ہے۔

پس متکلم فیہ راوی کی حدیث حسن شمار ہوگی جب تک کہ اس کی مخالفت اس سے زیادہ ثقہ سے ثابت نہ ہو۔ اور اس کا ترجمہ ان کے ساتھ ملا ہوا ہوگا کہ جن رواۃ کی روایت کو محدثین نے حسن قرار دیا ہے جیسا کہ محمد بن اسحاق، عبداللہ بن محمد بن عقیل یہ ان سے علیحدہ نہیں ہوگا مگر کہ کسی شخص کی حدیث کی تحسین ذکر کی جائے۔ اور اسی طرف امام ذہبی گئے ہیں۔

انہوں نے (المغنی ۱/۳۴۸) میں بیان فرمایا۔

صدوق حسن الحدیث۔ کہ سچا اور حسن الحدیث ہے۔

اور امام ذہبی نے اپنی دو کتابوں (الکاشف: ۲/۹۹) اور (الدیوان: ۱۷۳) میں اس کے بارے میں صرف عبارات توثیق پر ہی اکتفاء و اختصار کیا ہے (اور عبارت جرح بیان ہی نہیں کیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ذہبی کے نزدیک اس کی تعدیل ہی راجح ہے مترجم)

اور اس راوی کو اپنی کتاب (من تکلم فیہ وھو موثق: ۱۱۲)[1] میں بیان کیا ہے۔

حافظ سخاوی نے (التحفۃ اللطیفۃ ۳/۳۶۶) میں فرمایا۔

کان عالماً صالحاً — کہ یہ عالم صالح بہتر و افضل

خیراً صالح الحدیث — اور صالح الحدیث ہے

---

[1] اس رسالہ میں امام ذہبی نے ان راویوں کا ذکر کیا ہے کہ جن پر جرح کی گئی ہے مگر انکی توثیق راجح ہے جیسا کہ رسالہ کے نام سے ہی ظاہر ہو رہا ہے (مترجم غفرلہ)

فصل

اگر ہم عبداللہ بن عمر العمری کو بالفرض محال ضعیف بھی تسلیم کرلیں۔

امام عثمان بن سعید نے کہا میں نے یحیی بن معین سے کہا کہ عبداللہ العمری کا نافع سے کیا حال ہے؟ فرمایا یہ صالح اور ثقہ ہے

(الکامل: ۱۴۵۹/۴)

میں کہتا ہوں کہ یہ راوی یہاں نافع سے ہی روایت کر رہا ہے۔

امام الجرح والتعدیل یحیی بن معین کیطرف سے نزاع کے ختم کرنے کے لیے یہ نص قاطع ہے۔

تنبیہ

ابن عبدالهادی نے۔ الصارم المنکی میں عبداللہ بن عمر العمری کی روایت کو ضعف پر محمول کر کے ضعیف قرار دیا ہے تعجب ہے کہ یہی راوی جب وہ "التنقیح" میں لاتا ہے تو اس کو قوی قرار دیتا ہے اور اسے ضعیف کہنے والے اور اس سے احکام میں احتجاج نہ کرنے والے کا رد کیا ہے

جب مخالف عبداللہ بن عمر العمری کو ضعیف کہتا ہے تو اس کے جواب میں ابن عبدالهادی (۱۳۲/۱) کہتا ہے اور عبداللہ بن عمر کی روایت کے بارے میں یحیی بن سعید نے اس کو فرمایا۔ کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اس سے ان کی مراد اس کی توثیق ہے۔

پھر دوسرا تعجب یہ ہے کہ جب یہ علم ہو گیا کہ یحیی بن معین کی یہ روایت عبداللہ بن عمر العمری کی توثیق کا فائدہ دینی ہے تو اسے ابن

عبدالہادی نے الصارم میں اشارتًا بھی اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ (نسأل اللہ العافیۃ)

الغرض مذکورہ تفصیلی سے واضح وثابت ہوگیا۔

من زار قبری وجبت له شفاعتی	یقینًا حسن ہے اور یہی قواعد حدیث کا تقاضہ ہے

اور جہاں تک متکبر اور ضدی شخص کا معاملہ ہے تو وہ نہ ہمارا مخاطب ہے اور نہ ہی اس سے کلام مقصود ہے۔

دوسری حدیث

"من زارنی فی مماتی کان کمن زارنی فی حیاتی ومن زارنی حتی ینتهی الی قبری کنت له شهیدا یوم القیامة"	جس نے ہمارے وصال کے بعد ہماری زیارت کی گویا کہ اس نے ہماری ظاہرہ حیاتی میں زیارت کی اور جو میری زیارت کیلیے میرے روضہ تک پہنچا میں قیامت کے دن اُسکی شفاعت کرونگا۔

اس کو عقیلی نے (الضعفاء : ۳/۴۵۷) میں اس سند سے مرفوعًا روایت کیا ہے۔

حدثنا سعید بن محمد الحضرمی ثنا فضالة بن سعید بن زمیل المأربي حدثنا محمد یحیی المأربي عن ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس به مرفوعًا۔

امام تقی الدین السبکی نے (الشفاء السقام: ۳۸) میں اپنی سند کے ساتھ ابن عساکر کے طریق سے عقیلی کی مذکورہ سند کیساتھ روایت کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔

من رآنی فی المنام کان — جس نے مجھے خواب میں دیکھا

کمن رآنی فی حیاتی! — گویا کہ اس نے مجھے ظاہری حیات میں دیکھا۔

صحیح الفاظ وہی ہیں جو کہ عقیلی نے نقل کیئے ہیں۔ ہاں ابن عساکر کی روایت بھی صحیح ہے اور لفظ زیارت دونوں میں ہی موجود ہے۔

اس حدیث میں فضالہ بن سعید بن زمیل اور اس کے شیخ محمد بن یحیٰی بن قیس المأربی کی وجہ سے علت بیان کی گئی ہے! جہاں تک فضالہ بن زمیل المأربی ہے اس کے بارے میں عقیلی نے (الضعفاء ۳/۴۵۷) میں کہا کہ اس کی حدیث غیر محفوظ ہے اور یہ حدیث اس کے سوا سے معروف نہیں ہے۔ حدیث بیان کرنے کے بعد کہا کہ محل بحث اس کی اسناد ہیں۔

یہ حدیث ایک اور سند سے مروی ہے اور اس میں بھی کمزوری ہے۔

عقیلی کا کلام ان امور پر دلالت کر رہا ہے۔

۱:۔ یہ کہ فضالہ بن سعید المأربی کی حدیث غیر محفوظ ہے

۲:۔ یہ منفرد ہے۔

۳:۔ اس سند میں کمزوری ہے۔

تیسرے امر کا خلاصہ یہ ہے کہ عقیلی کی نظر میں اس سند میں کمزوری

ہے اور یہ ظاہر ہے کہ لین کا درجہ ضعیف سے بہت ہی کم ہے۔

حافظ ذہبی پر تعجب ہے کہ انہوں نے فضالہ بن سعید بن زمیل المأربی کے ترجمہ میں یہ حدیث ذکر کی پھر (۳۴۹/۳) میں کہا یہ ابن جریج پر موضوع ہے۔

سند اور متن میں کوئی چیز ایسی نہیں جو ذہبی کے دعوے کی مدد کر سکے۔ یہ ایسا دعویٰ ہے کہ جس پر دلیل نہیں ہے اور نہ ہی ذہبی نے اپنے دعوے پر کوئی دلیل پیش کی ہاں عقیلی کا یہاں کلام ذہبی سے زیادہ مضبوط اور قوی ہے!

فصل

اور محمد بن یحیی بن قیس المأربی کو دارقطنی (سوالات البرقانی : ۴۶۴) نے ثقہ کہا، ابن حبان نے (۴/۵:۹) اور ابن ابی حاتم نے ان سے جماعت محدثین کا روایت کرنا (الجرح والتعدیل ۱۲۳/۸) بیان کیا اور اس میں جرح اور تعدیل ذکر نہیں کی۔ اور ابنِ حزم! نے کہا: مجہول ہے!

پس اس میں دارقطنی اور ابن حبان کی توثیق قبول کی جائے گی۔ کیونکہ یہی قواعد حدیث کے مطابق ہے کیونکہ عالم، جاہل کے خلاف ہوتا ہے۔

اعتراض وجواب

اور اگر کہا جائے کہ اس بارے میں ابن عدی نے (الکامل ۲۲۳۹/۶) میں کہا کہ اس کی احادیث۔ مظلمۃ اور منکرہ ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ یہ ابنِ عدی کی طرف سے سراسر زیادتی ہے۔

اس نے اس کے ترجمہ میں دو حدیثیں ذکر کیں۔

پہلی :- شہروں کی مدح وذم میں ہے پس اس کو اس سے روایت کرنے والے پر حمل کیا جائے گا۔ اور وہ خطاب بن عمر الہمدان ہے۔

ذہبی نے اس کے ترجمہ میں (المیزان) میں کہا کہ یہ مجہول ہے اور اس کی حدیث شہروں کے بارے میں جھوٹ ہے!

اور عقیلی نے صحیح بات کی کہ یہ موضوع حدیث اس نے خطاب بن عمر الہمدانی کے ترجمہ میں ذکر کی (۲/ ۲۵)

اور دوسری حدیث جس کو ابن عدی نے محمد بن یحیٰی المأربی کے ترجمہ میں ذکر کیا وہ حدیث استقطاع ہے جس کی اصحاب سنن وغیرہم نے تخریج کی ہے۔

اس کی تصحیح ابنِ حبان (۱۰/ ۳۵۱) نے کی ہے تو بات کرنا آسان ہے مگر ایسا شخص اس کا مستحق نہیں ہے کہ اس میں کہا جائے کہ اس کی احادیث مظلمہ اور منکرہ ہیں۔ کیا بنے گا ان کثیر احادیث کا جو اس وصف کی مستحق ہیں؟

امام ذہبی نے (الکاشف ۳/ ۹۵) میں اسکی توثیق کی ہے!

پس یہ بات تقاضہ کرتی ہے کہ جو کچھ محمد بن یحیٰی المأربی کے ترجمہ میں (المیزان ۴/ ۶۲) میں بیان کیا ہے اس میں تردد ہے۔

اور خلاصہ یہ ہے کہ محمد بن یحیٰی المأربی میں اسکے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا خلاصہ وہ ہے جسے ابن حجر نے (التقریب ۵۱۳) میں بیان کیا۔ کہ یہ لین الحدیث ہے اور ترمذی — ایسے راوی کو (جس میں

مذکورہ بالا کلام ہو) حسن کہتے ہیں!

اہم نوٹ

ابن عبدالہادی کی محمد بن یحیٰی المأربی کے بارے میں رائے غلط ہے بلکہ یہ تشدد اور انصاف سے بہت دور ہے اس نے بیان کیا کہ یہ شخص متکلم فیہ ہے اور پھر اس پر جرح اور اسکی تضعیف کو ترجیح دی اور اس پر ابن عدی کا کلام ذکر کیا اور تائید میں شہروں کی مدح و ذم میں مروی حدیث پیش کی حالانکہ یہ گزر چکا کہ اس حدیث کا بوجھ خطاب بن عمر الہمدانی مجہول پر ہے پھر اس پر رکا اور دارقطنی کی توثیق کی صراحت ذکر نہیں کی جو کہ اس نے (سوالات البرقانی ۴۶۴) میں کی ہے بلکہ اس نے زیادتی کرتے ہوئے موضوع حدیث بھی ساتھ ذکر کر دی (اللہ تعالےٰ سے سلامتی اور حفاظت کا سوال کرتے رہنا چاہیئے۔)

اور بعض کے گمان کے مطابق اس حدیث میں تیسری علت ہے جس پر ابھی کلام باقی ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس میں ابن جریج یعنی عبدالملک بن عبدالعزیز بن جریج مدلس ہے اور اس نے سماع کی تصریح نہیں کی۔

اس کا جواب! یہ ہے کہ ابن جریج نے یہ روایت عطاء سے کی ہے اور اس کی عطاء سے روایت سماع پر محمول ہوتی ہے چاہے وہ سماع کی صراحت کرے یا نہ کرے کیونکہ ابن جریج نے کہا! جب میں کہوں کہ عطاء نے کہا تو میں نے اس سے یہ سنا ہوتا ہے اگرچہ میں "سمعت" نہ کہوں۔ (تہذیب التہذیب: ۶/۴۰۶)

حاصل کلام یہ کہ جو کچھ گزرا اس سے معلوم ہوا کہ اس سند کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے اس میں ایک راوی مجہول

ہے اور وہ اس حدیث میں متفرد ہے اور دوسرا راوی مختلف فیہ ہے دارقطنی نے اس کو ثقہ کہا اور ابنِ حبان نے اس کی روایت کو صحیح کہا اور اس کو ثقہ کہا ہے اور اس راوی سے اصحاب السنن امام نسائی ابو داؤد اور ترمذی نے روایت لی ہے اور حافظ (ابنِ حجر) نے اس کے بارے فرمایا کہ یہ! لین الحدیث ہے اور ذہبی نے کہا۔اس کی توثیق کی گئی ہے۔

پس جب بات ایسی ہی ہے تو یہ سند صرف فضالہ بن سعید بن زمیل المازنی کے سبب ضعیف ہوگی۔ تو اس کا کسی دوسری روایت کے ساتھ قوت حاصل کرنا ممکن ہے بلکہ ممکن ہے کہ یہ محدثین کی جماعت کی رائے کے مطابق حسن کے مشابہ ہو۔

یہ تنہا روایت فیصلہ دے رہی ہے کہ ان کی بات احادیث زیارت تمام کی تمام ضعیف بلکہ موضوع ہیں لغو و فضول ہے۔

یہ کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ مذکورہ روایت کے لئے اس مسئلہ زیارت میں قوی و مضبوط ترین دیگر نظائر بھی موجود ہیں (ہم اللہ تعالےٰ سے غضب اور رضا میں انصاف پر قائم کرنے کی التجا کرتے ہیں۔

تیسری حدیث

من زارنی بالمدینۃ محتسبًا کنت لہ شفیعًا وشھیدا یوم القیامۃ۔

جس نے ثواب کی نیت سے مدینہ میں میری زیارت کی قیامت کے دن میں اس کا شفیع اور گواہ ہوں گا۔

اس کو امام بیہقی نے (شعب الایمان : ۳/ ۴۸۸)
حمزہ بن یوسف السہمی نے (تاریخ جرجان : ۴۸۸)
امام تقی الدین السبکی نے (شفاء السقام : ۳۵)
ابن ابی الدنیا نے (کتاب القبور) میں ذکر کیا ہے۔

تمام نے اسے "محمد بن اسماعیل بن ابی فدیک عن سلیمان بن یزید الکعبی ابی المثنیٰ عن انس بن مالک کی سند سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

جس نے برائے ثواب مدینہ میں میری زیارت کی میں قیامت کے دن اس کی شفاعت کردں گا اور گواہ ہوں گا۔ میں کہتا ہوں کہ محمد بن اسمٰعیل بن ابی فدیک ثقہ ہے اور اس سے محدثین کی ایک جماعت نے روایت لی ہے۔ لیکن ابو المثنیٰ سلیمان بن یزید الکعبی کے بارے میں ابو حاتم نے کہا کہ یہ منکر الحدیث ہے اور قوی نہیں ہے دار قطنی نے اس کی تضعیف کی اور ابن حبان نے المجروحین میں کہا۔

یہ روایات میں ثقات کی مخالفت کرتا ہے اس سے احتجاج درست نہیں اور سوائے اعتبار کے طور پر اس سے روایت لینا جائز نہیں ہے۔
لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کو (کتاب الثقات : ۶/ ۳۹۵) میں ذکر کیا اور امام ترمذی نے اس کی تحسین کی ہے۔ تو یہ چیز تقاضہ کرتی ہے کہ یہ امام ترمذی کے نزدیک صدوق الحدیث، ہے کیونکہ حافظ ابن حجر نے (تعجیل المنفعۃ : ۱۵۳) میں فرمایا۔

امام ترمذی کا قول : حسن غریب" تقاضہ کرتا ہے کہ راوی اس کے نزدیک، صدوق معروف ہے، الخ
امام حاکم نے اس کی حدیث کو صحیح کہا ہے (۴/ ۲۲۱-۲۲۲) تو یہ راوی امام حاکم کے نزدیک ثقہ ہو گا۔

کی صحیح ہوتی۔ لیکن اس حدیث کو پچھلی حدیث کے ساتھ ملایا جائے تو اس حدیث کی قوت میں فائدہ ہوگا۔ اور اگر قائل کہے کہ اگر اس کو حسن کے مشابہ قرار دیا جائے تو صحیح ہے۔ اور آئمہ فقہا نے کتنی ہی اس سے کم تر یا اسی طرح کی احادیث سے احکام میں احتجاج کیا ہے!

بلکہ یہ اکیلی ہی زیارت کی مشروعیت کو ثابت کرتی ہے اور ابن عبدالہادی نے حضرت انس سے اس کا دوسرا طرق بیان ہی نہیں کیا۔ گویا کہ وہ اس سے واقف ہی نہیں ہوا اسی لئے اس کا کلام صرف پہلی سند کے ساتھ ہی مخصوص ہے اور اگر ابن عبدالہادی اس پر واقف ہوتا تو ضرور بضرور مبہم راوی پر برستا جیسا کہ اس کا طریقہ ہے۔ کیونکہ وہ تو کہتا ہے اس مسئلہ زیارت میں کوئی حدیث صحیح ہے ہی نہیں۔

چوتھی حدیث

من أتى المدينة زائرًا لي وجبت له شفاعتي يوم القيامة، ومن مات في احد الحرمين بعث آمنًا،

جو شخص مدینہ شریف میری زیارت کے لیے آیا قیامت کے دن اس پر میری شفاعت واجب ہو گئی اور جو دونوں حرموں میں سے کسی ایک میں فوت ہوا وہ قیامت امن کی حالت میں اٹھایا جائے گا۔

اس کو یحیی بن الحسن بن جعفر نے، اخبار المدینہ، میں روایت کیا۔ جیسا کہ (شفاء السقام: ۱۰۴) میں ہے۔ سند یہ ہے۔

ثنا محمد بن یعقوب، بسند مذکور حضرت بکر بن عبداللہ

ثنا عبد اللہ بن وھب	نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
عن رجل عن بکر ابن	سے روایت کی ہے کہ جو شخص
عبد اللہ عن النبی صلی اللہ	مدینہ شریف میری زیارت کیلئے آیا قیامت
علیہ وسلم : قال : من أتی	کے دن اس پر میری شفاعت واجب
المدینة زائرا لی وجبت	ہوگی اور حدِ حرمین شریفین میں سے
له شفاعتی یوم القیامة	کسی ایک حرم میں فوت ہوا قیامت
ومن مات فی احد الحرمین	میں امن کی حالت میں اٹھایا جائے
بعث آمنا	گا۔!

محمد بن یعقوب وہ ابو عمرو الاسدی الذبیری المدنی ہے اس کے بارے ابو حاتم اور امام نسائی نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں

ابن حبان نے اس کو کتاب الثقات میں ذکر کیا اور کہا مستقیم الحدیث ہے (التہذیب : ۹/۵۳۳)

حافظ نے فرمایا : صدوق ہے (التقریب ص ۵۱۴)

اور عبد اللہ بن وہب ۔ ثقہ حافظ اور فقیہ ہے ۔

اور بکر بن عبد اللہ میرے خیال میں وہ المزنی البصری ہے اور وہ جلیل القدر ۔ ثقہ ثبت تابعی جیسا کہ (التقریب ص ۱۲۷) میں ہے اور اگر یہ وہی ہے تو حدیث مرسل ہوگی اور اگر مبہم راوی نہ ہو تو یہ صحیح الاسناد ہے

اور سید سمہودی نے (وفاء الوفا : ۴/۱۳۴۸) میں کہا کہ احتمال ہے کہ یہ بکر بن عبد اللہ المزنی المذکور ہو یا وہ بکر بن عبد اللہ بن الربیع الانصاری الصحابی ہے جس کا ترجمہ (الاصابہ : ۱/۱۶۴) میں ہے !

اور (الصارم المنکی : ۳۴۳) میں بکیر (بالتصغیر) بن عبد اللہ واقع ہے جو

کہ ناسخ (کاتب) کی غلطی ہے۔ اور اگر غلطی نہیں تو پھر یہ بعید ہے کیونکہ عبداللہ بن وہب اپنی جامع میں بکیر بن عبداللہ الاشج المدنی ثم المصری جو کہ تبع تابعی ہے سے ایک واسطہ کے ساتھ روایت کرتا ہے۔ اور راجح وہی ہے جو کہ پیچھے بیان ہوا کہ یہ بکر بن عبداللہ المزنی ہے۔ (واللہ اعلم)

اور ان تینوں احتمالات کے ہوتے ہوئے یہ حدیث صرف ضعیف الاسناد ہو گی۔

اور ابن عبدالہادی نے (الصارم: ۲۴۳) میں تمام قواعد حدیث کو توڑتے ہوئے کہا یہ حدیث باطل ہے اور اس کی اصل نہیں یہ معضل روایت ہے ایسی حدیث پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا یہ مراسیل میں سے ضعیف تر اور سب سے کمزور منقطع ہے!

میں کہتا ہوں کہ یہ شخص حد سے بڑھ گیا اور تشدد اور طعن تشنیع پر اتر آیا ہے پس اس حدیث میں سوائے مبہم راوی کے اور کوئی علت نہیں حالانکہ ابن عبدالہادی کے امام، امام احمد بن حنبل وغیرہ جو کہ آئمہ فقہ و حدیث میں سے ہیں وہ مرسل کے ساتھ احتجاج کرتے اور اس کو قبول کرتے ہیں۔

ابن عبدالہادی نے اپنی بات پر کوئی دلیل پیش نہیں کی کیونکہ قواعد حدیث اس کی موافقت ہی نہیں کرتے۔ اور البانی کا وہ قول سوائے تعصب کے کچھ نہیں جو اس نے شیخ محمد سعید رمضان البوطی کے رد میں کیا ہے (ص ۱۰۹) کہ یہ حدیث باطل ہے جیسا کہ ابن عبدالہادی نے کہا ہے۔

ایسی تقلید مذموم ہوا کرتی ہے، اس پر اعتراض کیوں نہیں کیا جاتا یا تقلید کرنے والے پر فتویٰ کیوں نہیں عائد ہوتا۔ اور تتبع کرنے والا پائیگا کہ ایسی حدیث پر محدثین اس سے زیادہ حکم نہیں لگاتے کہ یہ مرسل ضعیف

الاسناد ہے اور اس کی مثل روایت دوسری روایت کی متابعت سے تقویت پا جاتی ہے۔ (نسأل اللہ تعالےٰ السلامۃ والعون)

پانچویں حدیث

مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي	جس نے میرے وصال کے بعد میری
فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي	زیارت کی گویا کہ اس نے میری
وَمَنْ مَاتَ بِأَحَدِ الحَرَمَيْنِ	ظاہری حیاتی میں میری زیارت کی اور
بُعِثَ مِنَ الآمِنِيْنَ يَوْمَ	جو حرمین شریفین میں سے کسی حرم میں
القِيَامَةِ	فوت ہوا قیامت کے دن اسکو آمنین
	میں سے اٹھایا جائیگا۔

امام دارقطنی نے (سنن : ۲/۲۷۸) میں اس سند سے یہ حدیث بیان کی۔

حدثنا ابو عبید و القاضي ابو عبد اللہ و ابن مخلد قالوا أنا محمد بن الوليد البسري، نا وكيع، نا خالد بن أبي خالد و ابو عون عن الشعبي و الاسود بن ميمون عن هارون أبي قزعة عن من آل حاطب عن حاطب قال : قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ (الحدیث)

اس کو اس سند سے بیہقی نے (شعب الایمان ۳/ ۴۸۸)
اور خماطی اور الساجی نے روایت کیا جیسا کہ میزان میں ہے!
اور امام ابن عبد البر نے استذکار میں معلق کے طور پہ بیان کیا ہے۔
امام بخاری نے اپنی تاریخ میں بیان کرتے ہوئے کہا!

میمون بن سوار العبدی عن ھارون ابی قزعة رجل من ولد حاطب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (من مات فی احد الحرمین)

اللہ کی مدد سے عرض کرتا ہوں

خالد بن ابی خالد وہ خالد بن طہمان ہے وہ امام شعبی کے طبقہ سے روایت کرتا ہے اور وہ بھی ان کی طرح کوفی ہے! اور اس سے وکیع روایت کرتا ہے اور وہ خالد بن ابی خلدہ نہیں جیسا کہ ابن عبد الھادی نے (الصارم المنکی ص ۱۵۱) میں دعویٰ کیا ہے!

خالد بن طہمان صدوق ہے اور مختلط ہو گیا تھا لیکن اس کا تابع ابن عون ہے اور اس کو ابو عون بھی کہا جاتا ہے۔ ہاں ہاں وہ عبد اللہ بن عون البصری ہے اور اس کی کنیت ابو عون ہے اور وہ ثقہ! اور ثبت ہے۔ پس یہ سند عامر بن شراحیل الشعبی تک صحیح ہے بلکہ ہارون بن ابی قزعہ تک صحیح ہے کیونکہ شعبی ایسے حافظ ثقہ ہے جن کے بارے میں سوال ہی نہیں کیا جاتا
ابن عبد الھادی نے بہت ہی عجیب و غریب بات کی بلکہ بہت تشدد سے۔

کام لیتے ہوئے کہا!

اور جو اس سند میں وکیع عن خالد بن ابی خالد اور ابوعون عن الشعبیؒ یا شعبی کے واسطہ کے بغیر سند میں زیادۃ تو یہ منکر اور غیر محفوظ ہے پس اس سند میں شعبی کا ادخال صحیح نہیں ہے۔ پھر کہا ..... اور حاصل کلام یہ کہ اس سند میں اس اندھی زیارت کا ذکر اس کی صحت میں اضافہ نہیں کرتا بلکہ اس کے ضعف اور اضطراب میں اضافہ کرے گا (الصارم المنکی ۱۵۱)

میں کہتا ہوں کہ یہ اضافہ ثقات سے مسلسل طور پر ثابت ہے جیسا کہ گزرا اس کو وکیع بن الجراح اور خالد بن طہمان نے ذکر کیا ہے اور اس کا متابع عبداللہ بن عون البصری ہے پھر عامر الشعبی ثقات میں سے ہے پس ان کے حال کی طرف نظر نہیں کرنی چاہیئے سوائے ابن طہمان کے اور وہ صدوق ہے اور اس کا متابع بھی ہے (نسأل اللہ تعالٰے الانصاف فی الرضا والغضب)

جب یہ بات واضح ہوگئی تو اب اس سند کا انحصار ہارون بن ابی قزعہ اور اس کے مبہم شیخ پر ہے! رہا ہارون بن ابی قزعۃ تو اس کے بارے کہا گیا ہے ہارون ابوقزعہ یا ابن قزعہ اور یہ نقصان دہ نہیں ہے۔ حافظ نے (النکت علی ابن الصلاح: ۲/۷۷۳) میں کہا۔

اور راویوں میں کسی راوی کے نام میں اختلاف اس میں موثر نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگر وہ ثقہ ہے تو یہ اختلاف اس کو نقصان نہیں دیگا۔ اور اگر وہ غیر ثقہ ہے تو اس کی حدیث اس کے ضعف کی وجہ سے ضعیف ہوگی نہ کہ اس سبب سے کہ اس کے نام میں ثقات کا اختلاف ہے! (فتامل ذلك) پس یہاں راوی ہارون بن ابی قزعہ کو یعقوب بن شیبہ نے ضعیف کہا اور عقیلی ساجی

لہ امام سبکی نے (شفاء السقام ص ۳۳) میں امام شعبی کے واسطہ کو ہی ترجیح دی ہے اور یہی صحیح ہے

اور ابن الجارود نے اس کو ضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ لیکن ابن حبان نے اسکو (الثقات ۷/۵۸۰) میں ذکر کیا۔

اور اس سے عامر الشعبی نے روایت کی پس ہارون بن ابی قزعہ اس کے نزدیک ثقہ ہے!

یحییٰ بن معین نے شعبی کے بارے کہا۔ جب وہ کسی سے نام لے کر روایت کریں تو وہ ثقہ ہوگا اور اس سے احتجاج کیا جائے گا۔

(التہذیب : ۵/۶۷)

پس امام شعبی کا ہارون سے روایت کرنا اس کی توثیق پر دال ہے جیسا کہ ابن معین نے کہا کیونکہ امام شعبی نے اس کا نام لیا ہے۔ لیکن یہ توثیق صراحت کے مقابلہ میں کم تر ہے پس یہ توثیق ضمنی اور اجمالی توثیق ہوگی۔

پس ابن حبان کی توثیق اور شعبی کی روایت ہارون ابن ابی قزعہ کی ثقاہت کے لیے کافی ہے پس وہ شخص ان راویوں میں سے ہے کہ جن کی حدیث کا اعتبار کیا جائے گا اور اس کی حدیث شواہد کے لیئے پیش کی جاسکتی ہے!

پس اب اس سند میں ایک ہی علت باقی رہ جاتی ہے کہ ہارون بن ابی قزعہ کا شیخ مبہم ہے پس حدیث میں ضعف اتنا شدید نہیں ہے بلکہ معمولی ضعف ہے اور فقہاکرام اس کی مثل احادیث سے کسی بھی معاملہ کی مشروعیت کے اثبات پر احتجاج کرتے ہیں اور اس کے علاوہ کتب فقہ ہمارے اس قول کی تصدیق کرتی ہیں۔ کیوں نہ ہو۔ حالانکہ زیارت کی احادیث کے بعض طرق شرط حسن پر ہیں۔ اب اس کے بعد ان (منکرین) کا قول کہ احادیث زیارت ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ کو دیکھو تو اسے دیوار پر دے مارو کیونکہ یہ اصول حدیث کے مخالف قول ہے!

تین ائمہ حدیث کا صحتِ حدیث پر اتفاق

حافظ ذہبی نے فرمایا۔

احادیثِ زیارۃ میں سے سب سے زیادہ سند کے لحاظ سے پختہ حدیث حدیثِ حاطب ہے۔

اور امام سخاوی نے (المقاصد الحسنۃ ۴۱۳) میں اور امام سیوطی نے (الدرر المنتشرہ : ۱۷۳) میں اس کو قائم و مقرر رکھا۔ پس یہ تین حفاظِ حدیث مخالف کے غلط قول کے خلاف متفق ہیں۔

ابنِ تیمیہ کا رد

یہ تنبیہ باقی رہ گئی ہے کہ ابن تیمیہ نے اس حدیث کو سراپا جھوٹ ہونے (موضوع) کا حکم لگایا ہے!

اس نے اپنی کتاب (التوسل والوسیلۃ ، ۷۳) میں کہا۔

یہ واضح جھوٹ ہے اور مسلمانوں کے دین کے خلاف ہے۔ پس جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ایمان کی حالت میں زیارت کی پس وہ آپ کے صحابہ ہیں بالخصوص اگر وہ مہاجرین میں سے ہیں اور پھر آپ کے ساتھ کافروں سے جہاد بھی کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کو بُرا نہ کہو مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ میرے صحابی کی ایک مٹھ جو خرچ کرنے کے برابر نہیں پہنچ سکتا (اس کو بخاری و مسلم میں روایت کیا گیا ہے)

صحابہ کے بعد کوئی ایک شخص بھی ان کے مثل نہیں ہو سکتا ماموراعمال ہیں جیساکہ حج، جہاد، پانچوں نمازیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے ہیں تو ایسے عمل کے ذریعے ان کے برابر کیسے پہنچ سکتا ہے جو بالاتفاق واجب نہیں ہے،

اور لبانی نے اس کی تقلید کرتے ہوئے اس حدیث پر بطلان کا حکم لگایا ہے حالانکہ دونوں غلطی پر ہیں اس اشکال کا جواب آسان ہے۔

۱۔ یہ صرف ایک تشبیہ ہے اور تشبیہ میں دونوں طرف مساوات ضروری نہیں ہوتی بلکہ بعض اوقات ایک دوسرے سے افضل ہوتا ہے پس یہ فاضل کا افضل کے ساتھ الحاق کے باب سے ہے جیسے کہ کہا جائے الرملی کالشافعی (رملی، شافعی کی طرح ہے) ابو یوسف ابو حنیفہ کی طرح اور زید چاند کی طرح اور مدرسہ جامع ازھر کی طرح ہے۔

۲۔ دونوں طرف تشبیہ کا جمع ہونے کا سبب حیات ہے۔ پس جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپ کی زیارت کی وہ اسی طرح ہے جس طرح آپ کی حیات میں زیارۃ کی یہ باعتبار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف قبر کے اندر ہے۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر منورہ میں زندہ ہیں۔

اور حیاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی القبر پر تو متواتر احادیث مروی ہیں۔ اوران کو کچھ محدثین نے علیحدہ اکٹھا کردیا ہے۔ ان میں سے امام بیہقی اور امام سیوطی ہیں اور حافظ احمد بن الصدیق الغماری رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا خلاصہ کیا ہے۔

جیسے (الرد المحکم المتین علی کتاب القول المبین) کے خاتمہ میں نقل کردیا گیا

ہے جو کہ ہمارے شیخ علامہ محقق سیدی عبد اللہ الصدیق رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف ہے۔

ابن تیمیہ نے جو اتفاق نقل کیا ہے یہ محل نظر ہے۔ کیونکہ سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت علمائے اسلام کی اکثریت کے نزدیک واجب ہے اور یہ قول ظاہریہ (غیر مقلدین) کا ہے اور اسی پر مالکیہ کی کثرت ہے اور احناف کا بھی یہی قول ہے۔

چھٹی حدیث

(مَنْ زَارَ قَبْرِیْ اَوْ قَالَ	جس نے میری قبر کی زیارت کی
مَنْ زَارَنِیْ کُنْتُ لَهُ	یا فرمایا جس نے میری زیارت
شَفِیْعًا اَوْ شَهِیْدًا اَوْ مَنْ	کی میں اس کا شفیع یا گواہ ہونگا یا
مَاتَ فِیْ اَحَدِ الْحَرَمَیْنِ	جو دونوں حرمین میں سے کسی ایک
بَعَثَهُ اللّٰهُ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ	حرم میں فوت ہو اللہ تعالیٰ اس کو
یَوْمَ الْقِیَامَةِ)	قیامت کے دن امن والوں میں سے
	اٹھائے گا۔

اس کو ابو داؤد طیالسی نے (منحة المعبود: ۲۲۸/۱) میں

بیہقی نے (السنن الکبری : ۲۴۵/۵)

(شعب الایمان: ۴۸۸/۳) میں اس سند سے روایت کیا

حدثنا سوار بن میمون ابوالجراح العبدی، قال: حدثنی رجل من آل عمر عن عمر قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم قال ....

اور امام بیہقی نے (شعب الایمان: ۳/ ۴۸۹) میں اس سند سے بیان فرمایا۔

شعبہ ابن الحجاج عن سوار بن میمون، نا ھارون بن قزعة عن رجل من آل الخطاب عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال!

عقیلی نے کہا۔

یہ روایت کمزور ہے۔ (۴/ ۱۷۰)

حدیث شعبہ اور ابوداؤد طیالسی میں اختلاف ہے اور ان کا اختلاف دو باتوں کی طرف لوٹتا ہے۔

۱۔ شعبہ نے فرمایا عن سوار بن میمون عن ھارون بن قزعہ مگر ابوداؤد نے ہارون بن قزعہ کا ذکر نہیں کیا۔

۲۔ اختلاف اسے مرفوع بیان کرنے والے میں ہے

اور یہ اختلاف شعبہ اور ابوداؤد طیالسی کی وجہ سے نہیں کیونکہ یہ دونوں ثقات اور حفاظ حدیث میں سے ہیں خصوصاً امام شعبہ پس ان میں سے ایک کا وہم شمار کرنا جیسا کہ ابن عبدالہادی نے بیان کیا ہے محل نظر ہے۔

پس ابن عبدالہادی نے دو جہتوں سے ابوداؤد کا وہم شمار کیا

۱۔ ہارون بن قزعہ کا اسقاط

۲۔ عمر کا ذکر کرنا

جیسا کہ ابن عبدالہادی نے (الصارم المنکی: ۱۳۲) میں کہا

یہ ابن عبدالہادی سے بہت ہی عجیب ہے۔ کیونکہ ابوداؤد طیالسی حافظ

اور ثقہ امام مصنف ہے وہ وہی حدیث بیان کرتا ہے جس کو وہ محفوظ رکھتا ہے) لہٰذا یہ وہم اس کی طرف سے نہیں ہو سکتا اور صحیح یہ ہے کہ یہ وہم سوار بن میمون کی طرف سے ہے کیونکہ اس کا تذکرہ کتب رجال میں نہیں ملتا پس یہ مناسب نہیں کہ سوار بن میمون کو چھوڑ کر وہم کی نسبت کی طرف کی جائے۔ یہ سوار بن میمون ہے یا میمون بن سوار جیسا کہ بعض غیر معروف روایات میں وارد ہوا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے یہ حدیث ضعیف الاسناد ہے۔

ساتویں حدیث

من حج فزار قبری بعد موتی کان کمن زارنی فی حیاتی	جس نے حج کیا اور میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی وہ ایسے ہی ہے گویا کہ اس نے میری ظاہرہ حیات میں میری زیارت کی۔

اس کو طبرانی نے (المعجم الکبیر: ۱۲/۴۰۶)

امام دارقطنی نے (السنن: ۲/۲۷۸)

بیہقی نے (السنن الکبری: ۵/۲۴۶)

ابن عدی (الکامل: ۲/۷۹۰)

الاصبہانی (الترغیب والترہیب: ۱/۴۴۷)

الفاکہی (اخبار مکہ : ۱/ ۴۳۷) [1]۔

ذہبی نے اس کو امام بخاری کی طرف منسوب کیا کہ امام بخاری نے اس کو ضعفاء میں تعلیقاً بیان کیا۔ لیکن امام بخاری کی مطبوعہ کتاب میں میں نے نہیں پایا۔ (المیزان :۱/ ۵۵۹)

اور یہ : (المطالب العالیہ : ۱/ ۳۷۲) میں ہے اور اس کو امام ابو یعلی کی طرف منسوب کیا گیا۔ ان تمام نے اس سند سے یہ حدیث بیان کی ہے۔

حفص بن سلیمان الاسدی القاری عن لیث بن ابی سلیم عن مجاهد بن جبر عن ابن عمر مرفوعًا قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس سند میں دو راوی ضعیف ہیں پہلا دوسرے سے زیادہ ضعیف ہے۔

پہلا۔ حفص بن سلیمان الکوفی القاری۔

اس کو محدثین کی ایک جماعت نے ضعیف کہا۔ بعض نے کہا متروک ہے۔ اور بعض نے اس کے بارے میں مبالغہ سے کام لیتے ہوئے کذب کی طرف منسوب کیا ہے اور اس مبالغے کا امام تقی الدین سبکی نے جواب

---

[1] الکمال اس حدیث کو امام ابو سعید المفضل بن محمد بن ابراہیم الجندی ۳۰۸ھ نے (فضائل المدینہ ۳۹) میں مذکورہ سند کے ساتھ بیان فرمایا ہے (مترجم غفولہ)

دیا ہے اور میرے نزدیک یہ اسراف اور زیادتی ہے! کیونکہ یہ آدمی قرآۃ کا امام ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ حدیث کے وضع کرنے اور جھوٹ بولنے پر اقدام کرے۔ حالانکہ لوگ اس سے قرآت حاصل کرنے میں متفق ہیں! زیادہ سے زیادہ یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ محدثین میں سے نہیں ہے! اس لیے اس کی روایات میں منکرات اور کثرت سے غلط چیزیں واقع ہو گئی ہیں۔ (شفاء السقام: ص ۲۵)

ان کے شاگرد ذہبی نے اس کے شیخ، عاصم بن ابی النجود القاری کے ترجمہ میں کہا۔

ہر دور میں ہوتا ہے کوئی شخص ہو سکتا ہے کہ وہ ہر فن کا امام ہو اور کئی فنون میں کمزور ہو جیسا کہ اس کا شاگرد حفص بن سلیمان کہ قرأت میں ثبت ہے لیکن حدیث میں کمزور ہے۔ یا جیسے امام اعمش کہ حدیث میں ثبت وثقہ ہے اور حروف میں کمزور ہے۔

(سیر اعلام النبلاء: ۲۶۰/۵)

سبکی اور ذہبی کے کلام سے وہ مشکل حل گئی جو کہ بعض کی طرف سے حفص بن سلیمان کے حال میں واقع ہوئی تھی۔

اور دوسرا راوی۔ لیث بن ابی سلیم ہے وہ فی نفسہ صدوق ہے لیکن مختلط ہے اور حدیث میں تمیز نہیں کر سکتا۔ پس اس کی مثل اگرچہ ضعیف ہو مگر متابعات و شواہد میں پیش کرنے کے قابل ہوتا ہے!

پس لیث بن ابی سلیم سے اس میں، حفص بن سلیمان متفرد بھی نہیں بلکہ اس کے دو متابع موجود ہیں۔

۱۔ حبس کو امام طبرانی نے (المعجم الکبیر: ۴۰۶/۱۲) اور (المعجم الاوسط: ۲۰/۱)

میں بیان کرتے ہوئے کہا۔

حدثنا احمد بن رشدین، قال: حدثنا علی بن الحسن بن ھارون الانصاری، قال: حدثنی اللیث ابن ابنۃ اللیث بن ابی سلیم قال: حدثنی عائشۃ ابنۃ یونس امرأۃ اللیث عن لیث بن ابی سلیم عن مجاہد عن ابن عمر بہ مرفوعًا

ایسے ہی۔ الکبیر: میں واقع ہے۔

اور المعجم الاوسط الطبرانی کے مطبوعہ نسخہ میں لیث بن ابی سلیم کو ذکر نہیں کیا گیا۔

اور صحیح وہی ہے جو کہ الکبیر میں واقع ہے۔ اور امام طبرانی نے اوسط میں علی بن الحسن بن ہارون الانصاری کے اس میں تفرد کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

امام ہیثمی نے (مجمع الزوائد: ۴/۲۱) میں فرمایا کہ اس میں عائشہ بنت سعد ہے میں نے اس کا ترجمہ نہیں پایا۔

میں کہتا ہوں: بات ایسے ہی ہے اور اس کی مثل علی بن الحسن بن ہارون الانصاری و اللیث ابن ابنۃ اللیث بن أبي سلیم کا ترجمہ بھی نہیں پایا جاتا۔

اور طبرانی کا شیخ احمد بن رشدین اس میں کلام مشہور ہے لیکن یہ سخت ضعیف ہے۔

۲۔ اس کو ابو بکر محمد بن السری بن عثمان التمار نے اپنے جزء میں روایت کرتے ہوئے فرمایا۔

ثنا نصر بن شعیب مولی العبدین، ثنا أبي و ثنا جعفر بن سلیمان

الضبعی عن لیث عن ابن عمر مرفوعًا بیان کرتے ہیں جیسا کہ شفاء السقام : ص ۲۷)

ابوبکر محمد بن السری بن عثمان التمار کے سبب سے یہ سند ضعیف ہے اس کے بارے میں امام ذہبی فرماتے ہیں۔

یہ مناکیر اور بلایا روایت کرتا ہے۔ لیس بشئی ہے۔ اور امام حافظ ابن حجر نے ذہبی کے اس کلام کو قائم رکھا (اللسان : ۵/۱۷۴)

اور اس میں ایک اور راوی ضعیف ہے اور وہ نصر بن شعیب ہے۔

ذہبی نے اس کے بارے (میزان : ۲/ ۲۵۱) میں فرمایا۔

نصر بن شعیب اپنے باپ سے روایت کرتا ہے اور وہ جعفر بن سلیمان سے ضعیف ہے۔

ابن عساکر نے فرمایا۔

یہ وہم ہے کیونکہ وہ حفص بن سلیمان ابو عمر الاسدی الغاضری القاری ہے (شفاء السقام : ۲۷) بہرحال یہ حدیث ضعیف ہے!

آٹھویں حدیث

مَنْ حَجَّ حَجَّةَ الإِسْلَامِ	جس شخص نے حج فرض ادا کیا
وَ زَارَ قَبْرِیْ وَ غَزَا غَزْوَةً	اور میری قبر کی زیارت کی، اور
وَصَلَّیٰ فِیْ بَیْتِ الْمَقْدِسِ لَمْ	جہاد کیا اور بیت المقدس میں
یَسْأَلْهُ اللّٰهُ عَمَّا افْتَرَضَ	نماز پڑھی اللہ تعالی اس سے
عَلَیْهِ"	دوسرے فرائض کے بارے میں

سوال نہ کرے گا۔

اسے امام ابوالفتح الأزدی نے فوائد میں اس سند سے ذکر کیا۔

ثنا النعمان بن هارون بن ابي الدلهات، ثنا ابو سهل بدر بن عبد الله المصيصي، ثنا الحسن بن عثمان الزيادي، ثنا عماد بن محمد حدثني خالي سفيان عن منصور عن ابراهيم عن علقمة عن عبد الله ابن مسعود مرفوعاً به۔

ایسے ہی شفاء السقام ص۴۴ میں ہے لیکن اس میں ابن عمر ہے حالانکہ صحیح: ابن مسعود ہے جیساکہ ا۔ (اللسان: ۲/۴) اور (القول البديع: ۱۳۵) و (تنزيه الشريعة: ۲/۱۷۵) میں ہے۔

ابوالفتح صاحب الجزء: مشہور حافظِ حدیث ہے کچھ لوگوں نے اس کی تضعیف کی ہے۔ اور بعض نے اس کی روایت کے سبب مبالغہ سے کام لیتے ہوئے اس کو متہم کیا ہے۔ خطیب بغدادی نے۔ (تاریخ: ۲/۲۴۴) میں کہا۔

میں نے محمد بن جعفر ابن علان سے ازدی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ان کے حفظ کا ذکر کیا انہیں معرفتِ حدیث میں ماہر قرار دیا اور خوب تعریف کی۔

مجھ سے بیان کیا عبدالغفار بن عبدالواحد الارموی نے اس نے کہا کہ میں نے اہل موصل کو دیکھا وہ ابوالفتح الازدی کو بہت زیادہ کمزور گردانتے اور اسے کچھ بھی شمار نہ کرتے۔

اور کہا۔ مجھ سے بیان کیا محمد بن صدقہ الموصلی نے کہ ابوالفتح بغداد کے امیر (یعنی ابن بویہ) کے پاس گیا اور اس کے لیے یہ حدیث گھڑی۔

ان جبرائیل کان ینزل	حضرت جبرائیل، نبی اکرم صلی اللہ
علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم	علیہ وسلم پر تیری صورت میں
فی صورتہ	نازل ہوتے تھے۔

تو اس نے اس کی عزت کی اور اس کو کثیر دراہم عطا کیے۔ ابن کثیر نے (البدایۃ: ۱۱/ ۲۰۳) میں کہا۔ بہت سارے حفاظ حدیث نے اسے ضعیف کہا۔

انکے اپنے زمانے کے بہت سارے حفاظِ حدیث نے اس کو ضعیف کہا اور بعض نے اس کو وضعِ حدیث کے ساتھ متہم کیا ہے۔ اس نے ابن ابو بلہ کے لیے حدیث گھڑی اور اسے باسند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا کہ جبرائیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس امیر کی شکل میں نازل ہوتے تھے اس امیر نے اس کو پسند کیا اور اس کو بہت ساری رقم دی (انتہی) اور اس سند میں ابو سہل بدر بن عبداللہ المصیصی ہے اس کے بارے حافظ ذہبی نے کہا۔

اس نے حسن بن عثمان الزیادی سے باطل خبر روایت کی اور اس سے النعمان بن ہارون نے (المیزان ۱/ ۳۰۰)

حافظ ابنِ حجر نے اس کے ترجمہ میں (اللسان: ۲/۴) میں کہا۔

اس مذکورہ حدیث کو حافظ ابو الفتح الازدی نے اپنے فوائد کے آٹھویں باب میں ذکر کیا۔ (پھر حافظ نے اس کی پوری سند ذکر کی)

اس روایت کو علامہ سیوطی نے: (ذیل اللآلی) میں وارد کیا اور انہی کا اتباع کرتے ہوئے ابن عراق نے (التنزیعۃ الشریعۃ ۲/ ۱۰۵) میں ذکر کیا۔

حافظ سخاوی نے (القول البدیع: ۱۳۵) میں کہا اس کے ثبوت میں نظر ہے۔

توضیح یہ ہے کہ اس حدیث کو الازدی۔ پر محمول کیا جائے نہ کہ المصیصی پر امام سبکی نے المصیصی کے بارے میں (شفاء السقام : ۳۴ - ۳۵) میں کہا میں اس کے حال کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا۔

تو کیا یہ سند مصیصی تک صحیح ہے کہ اس پر تہمت لگائی جائے۔

حاصل کلام یہ کہ یہ حدیث صحیح نہیں اور بعض نے اس پر وضع کا حکم لگایا ہے اور اس کے متن میں نکارت ہے!

نویں حدیث

مَنْ حَجَّ الْبَیْتَ وَلَمْ یَزُرْنِی فَقَدْ جَفَانِی : جس نے بیت اللہ کا حج کیا مگر میری زیارت نہ کی اس نے میرے ساتھ بے وفائی کی۔

اس کی تخریج ان محدثین نے کی ہے

ابن عدی نے (الکامل : ۷/۲۴۸۰)

ابن حبان (المجروحین : ۳/۷۳)

دارقطنی (غرائب مالک جیسا کہ شفاء السقام : ۲۸ میں ہے۔

اور سہمی نے (تاریخ جرجان : ۲۱۷) میں کہا اور تمام نے اس کی یہ سند بیان کی۔

محمد بن محمد بن النعمان بن شبل قال: حدثنی جدی، قال : حدثنا مالک عن نافع عن ابن عمر بہ مرفوعاً .....

ابن جوزی نے : (الموضوعات : ۲/۲۱۷) میں اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا۔

اور حفاظ کی ایک جماعت نے ابن جوزی کے ساتھ موافقت کی اور اس کے حکم کو برقرار رکھا۔ پس محمد بن محمد بن النعمان بن شبل پر دارقطنی نے طعن کیا اور اس کو متہم کیا۔ (المیزان : ۴/ ۲۶)

اور اس کے دادا۔ نعمان بن شبل کو موسیٰ بن ہارون نے کہا: وہ متہم تھا (الکامل : ۷/ ۲۴۸۰)

اور ابن حبان نے (المجروحین ۳/ ۷۳) میں کہا۔

یہ ثقات سے مصیبتیں اور اثبات سے مغلوب روایتیں بیان کرتا ہے!

اور اگر کہا جائے کہ ابن عدی نے (الکامل ۷/ ۲۴۸۰) میں کہا۔

ثنا صالح بن احمد بن ابی مقاتل، ثنا عمران بن موسیٰ الدجاجی ثنا النعمان بن شبل اور وہ ثقہ تھا۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ توثیق یا تو صالح بن احمد یا عمران بن موسیٰ الدجاجی کی ہے اور اگر ان دونوں سے پہلے کی توثیق سمجھی جائے تو وہ اس کا اہل نہیں ہے اور اگر ان دونوں میں سے دوسرا مراد لیا جائے تو اس سے روایت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ صالح بن احمد بن ابی مقاتل یہ قیراطی البزار کے نام سے مشہور ہے اس میں شدید ضعف ہے حتیٰ کہ دارقطنی نے کہا یہ متروک۔ کذاب اور دجال ہے! اور ابن عدی نے کہا کہ یہ حدیث کا چور ہے ہر حال اس حدیث کا مدار بجائے اس کے دادا النعمان بن شبل کے محمد بن محمد بن النعمان پر کرنا بہتر ہے دارقطنی نے اس کی صراحت کی ہے اور اس سے ابن جوزی نے (الموضوعات : ۲/ ۲۱۷) میں نقل کرتے ہوئے کہا ہے۔

اس حدیث میں طعن محمد بن محمد بن النعمان کی وجہ سے ہے۔ اور

نعمان سے ابن عدی راضی ہے (الکامل : ۷/ ۲۴۸۰) اس روایت کی سند بہت ساقط ہے شاید محمد بن النعمان نے یہ حدیث اپنے دادا سے چرائی اور اس کی اچھی نفیس سی سند بنائی ۔ عن مالک عن نافع عن ابن عمر پس اس سند کے ساتھ اس کا اخراج کیا۔ ابوالحسن یحیٰی بن الحسن بن جعفر نے : اخبار المدینہ میں جیسا کہ (شفاء السقام : ۳۹) میں نعمان بن شبل ثنا محمد بن الفضل عن جابر عن محمد بن علی عن علی رضی اللہ سے روایت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من زار قبری بعد موتی فکانما زارنی فی حیاتی ومن لم یزرنی فقد جفانی	جس نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا کہ اس نے میری ظاہرہ حیاتی میں زیارت کی اور جس نے میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر زیادتی کی ۔

میں کہتا ہوں کہ یہ تالف ہے اور نعمان بن شبل پر کلام گزر چکا ہے اور محمد بن الفضل بن عطیہ العبسی الکوفی بہت سارے نقادِ حدیث نے اس پر کذب کی تہمت لگائی اور جابر بن یزید الجعفی تو اس کا ضعیف معروف ہے ۔

دسویں حدیث

من زار قبری حلت لہ	جس نے میرے روضہ اقدس

شفاعتی۔ کی زیارت کی اس کے لیے میری شفاعت حلال ہوگئی۔

اس کو بزار نے اپنی (مسند (کشف الاستار : ۲/۵۷) میں اس سند کے ساتھ بیان کیا۔

حدثنا قتیبة، ثنا عبد اللہ بن ابراهیم ثنا عبدالرحمٰن بن زید عن ابیه عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

بزار نے کہا۔ عبداللہ بن ابراہیم کا اس حدیث پر متابع کوئی نہیں لیکن اس کے متفرد ہونے کے باوجود اس کی روایت لکھی جائے گی۔ اور امام ہیثمی نے (مجمع الزوائد : ۲/۴) میں کہا !

اس کو بزار نے روایت کیا اور اس میں عبداللہ بن ابراہیم الغفاری ہے جو ضعیف ہے !

میں کہتا ہوں کہ عبداللہ بن ابراہیم الغفاری سخت ضعیف ہے اس کے بارے میں حافظ نے (التقریب : ۲۹۵) میں بیان کیا۔

متروک ہے اور ابن حبان نے اس کو وضع کی طرف منسوب کیا ہے اور اس کا شیخ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم بھی ضعیف ہے

ابن عدی اس کے بارے میں اچھی رائے رکھتا ہے جیسے گزرا حاصل کلام یہ کہ۔ یہ حدیث اس سند کے ساتھ سخت ضعیف ہے۔

گیارہویں حدیث

مَنْ زَارَنِی بَعْدَ مَوْتِی فَکَاَنَّمَا زَارَنِی وَاَنَا حَیٌّ

جس نے میرے وصال کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا کہ اس نے میری زیارت کی کہ میں ظاہرہ حیاتی کے ساتھ زندہ ہوں۔

امام تقی الدین سبکی نے فرمایا کہ اس کو ابوالفتوح سعید بن محمد بن اسمٰعیل الیعقوبی نے اپنے ایسے جزء میں اس کو نقل کیا جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض شمائل اور آثار اور فضائل زیارت اور زائر کے فضائل بیان کیے۔ شفاء السقام (۳۴-۳۵)

لیعقوبی نے اس کو اس سند سے بیان فرمایا۔

خالد بن یزید ثنا عبد اللہ بن عمر العمری قال سمعت سعید المقبری یقول: سمعت اباھریرۃ رضی اللہ عنہ یقول:۔ مرفوعًا۔

اس سند میں خالد بن یزید ابوالھیثم العمری المکی ہے ابوحاتم اور یحیٰ بن معین نے اس کو کذاب کہا اور عقیلی و ابن عدی اور ابنِ حبان وغیرہم نے اس کو سخت ضعیف کہا۔

بارہویں حدیث

مَنْ زَارَنِي مَيِّتًا فَكَأَنَّمَا زَارَنِي حَيًّا، وَمَنْ زَارَ قَبْرِي: وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أُمَّتِي لَهُ سِعَةٌ ثُمَّ لَمْ يَزُرْنِي فَلَيْسَ لَهُ عُذْرٌ	جس میرے بعد از وصال میری زیارت کی گویا کہ اس نے میری ظاہرہ زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے قیامت کے دن میری شفاعت واجب ہو گی۔ اور جو امتی استطاعت ہونے کے باوجود میری زیارت نہ کرے اس کیلئے کوئی عذر نہیں۔

اس کو ابن النجار نے (الدرۃ الثمینۃ فی فضائل المدینۃ: ۱۴۴) میں اس سند کے ساتھ روایت کیا۔

محمد بن مقاتل عن جعفر بن ہارون عن سمعان بن المہدی عن انس مرفوعاً بہ۔

حافظ ذہبی نے (میزان الاعتدال: ۲/۲۳۴) کیا یہ سمعان سے مروی ہے! یہ ایک مکذوبہ نسخہ میں ہے میں نے اس کو دیکھا اللہ اس کے وضع کرنے والے کو برباد کرے۔

حافظ ابن حجر نے (اللسان: ۳/۱۱۴) میں سمعان مذکور کے ترجمہ میں کہا۔

یہ محمد بن مقاتل الرازی اور وہ جعفر بن ہارون الواسطی اور وہ سمعان سے روایت کرتا ہے اور اس نسخہ کا ذکر کیا اور اس نسخہ کا متن تین سو

احادیث پر مشتمل ہے جو موضوع ہیں۔ اس سند میں محمد بن مقاتل الرازی ہے اس کے بارے میں امام ذہبی (میزان الاعتدال : ۴/۴۷) میں فرماتے ہیں۔

اس میں کلام ہے مگر متروک نہیں۔

اور جعفر بن ہارون الواسطی کے بارے میں امام ذہبی فرماتے ہیں

یہ موضوع خبر لاتا ہے۔

اور سمعان بن محمد عن انس کا نسخہ مشہور موضوع نسخوں میں سے ہے

تیرھویں حدیث

رَحِمَ اللّٰہُ مَنْ زَارَنِیْ وَزِمَامُ نَاقَتِہٖ بِیَدِہٖ

اور اللہ اس پر رحم فرمائے جو میری زیارت کرے اور اپنی ناقہ کی مہار اپنے ہاتھ میں پکڑے

یہ حدیث عوام نے وضع کی ہے اس کی کوئی سند نہیں اور حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے کہ اس کی کوئی اصل نہیں اور ان کے شاگرد حافظ سخاوی نے "المقاصد الحسنہ" میں اس فیصلہ کو برقرار رکھا ہے!

چودھویں حدیث

مَنْ زَارَنِیْ وَزَارَ اَبِیْ اِبْرَاھِیْمَ فِیْ عَامٍ وَّاحِدٍ دَخَلَ الْجَنَّۃَ

جس نے میری اور میرے باپ حضرت ابراہیم کی ایک ہی سال میں زیارت کی تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔

یہ حدیث موضوع ہے اس کی کوئی سند نہیں۔ اس کی صراحت

امام نووی نے (المجموع : ۸/ ۲۰۹) اور ابن تیمیہ نے (اقتضاء الصراط المستقیم ۴۰۲) میں کی ہے۔

اس کا بطلان زرکشی سیوطی اور ابن عراق و دیگر محدثین نے کیا ہے۔

پندرہیں حدیث

مَنْ صلی علی عِندَ قَبْرِی سَمِعْتہ، و مَن صَلّیَ علی نائیًا ابلغتہ،

جس نے مجھ پر میری قبر کے قریب درود پڑھا میں اسے خود سنتا ہوں اور جس نے دور سے پڑھا " مجھے پہنچایا جاتا ہے!

اس کو ابو الشیخ الاصبہانی نے کتاب الثواب میں روایت کیا جیسا کہ (اللآلی المصنوعۃ ۱/ ۲۸۳) میں ہے۔

حدثنا عبد الرحمٰن بن احمد الاعرج، حدثنا الحسن بن الصباح حدثنا ابو معاویہ عن الاعمش عن ابی الصالح عن ابی ھریرۃ بہ مرفوعًا۔

حافظ سخاوی نے (القول البدیع : ۱۵۴) میں کہا۔

اس کی سند جید ہے جیسا کہ ہمارے شیخ ابن حجر نے افادہ فرمایا۔ انتہیٰ۔ اور حافظ یہ حکم لگانے میں حق پر ہیں۔

اس حدیث کی سند کے رجال سوائے ابو الشیخ کے استاذ کے۔ اور وہ عبد الرحمٰن بن احمد بن ابی یحییٰ الذھری ابو صالح الاعرج المتوفی سنہ ۳۰۰ھ

ہے اور اس کا تذکرہ ابو الشیخ اصبہانی نے (طبقات المحدثین باصبہان ۳/۱۸۵) اور ابو نعیم نے اخبار اصبہان ۲/۱۱۳) میں کیا اور اس پر جرح اور تعدیل کا کوئی کلمہ ذکر نہیں کیا۔

اور اس سے ایک جماعت محدثین نے روایت لی ہے جن میں سے حافظ ابو الشیخ ابن حبان الاصبہانی بھی ہے۔

زیادہ سے زیادہ اس کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ مستور ہے لہذا یہ ابن حبان کی شرط پر ہے لیکن میں نے ان کا تذکرہ انکی کتاب الثقات میں نہیں پایا۔

اور اس طرح کے راوی کی روایت جمہور محدثین قبول کرتے ہیں جب تک کہ اس کے مخالف کوئی نہ ہو جیسا کہ امام ذہبی نے مالک بن الخیر الذیاری کے ترجمہ میں اس بات کی صراحت کی ہے۔ انہوں نے زیاد بن مالک کے ترجمہ میں فرمایا۔

شیخ مستور ما وثق وضعف فھو جائز الحدیث	یہ شیخ مستور ہے نہ اس کی توثیق کی گئی ہے اور نہ ہی تضعیف لہذا یہ جائز الحدیث ہے۔
(المیزان ۲/۹۳)	

اور ربیع بن زیاد الھمدانی کے ترجمہ میں فرمایا۔

ما رأیت لاحد فیہ تضعیفا فھو جائز الحدیث	میں نے کسی ایک کو بھی اس کی تضعیف کرتے نہیں دیکھا لہذا یہ جائز الحدیث ہے
(المیزان ۲/۴۰)	

اور ربیع بن زیاد الھمدانی کے ترجمہ میں فرمایا۔

ما رایت لاحد فیہ تضعیفا	میں نے کسی ایک کو بھی اس

فهو جائز الحدیث   تضعیف کرتے نہیں دیکھا لهذا
(المیزان ۲/ ۴۰)   یہ جائز الحدیث ہے۔

اور امام زرکشی نے وسعت سے کام لیتے ہوئے (المعتبر فی تخریج احادیث المنہاج والمختصر: ۶۹) میں اس قسم کے راوی میں کہا:
راوی کی جہالت اس میں قدح کا سبب نہیں بنتی جب کہ اس سے روایت کرنے والا ثقہ ہو پس ثقہ کی اس سے روایت، اس کی تعدیل شمار ہو گی۔
حاصل کلام یہ کہ ایسی قسم کی حدیث تو جب تک اس کے مخالف کوئی روایت نہ پائی جائے اور نہ ہی اس کا متن منکر ہو تو وہ روایت مقبول ہو گی اور یہاں نہ تو اس کی مخالف روایت پائی گئی اور نہ ہی اس کے متن میں نکارت ہے پس یہ حدیث اس سند کے ساتھ مقبول ہے۔
شیخ حافظ احمد بن الصدیق الغماری نے (المداوی لعلل المناوی: ۶/ ۱/۲۷) میں فرمایا کہ اس کی سند نظیف ہے اور ابن تیمیہ نے (الرد علی الاخنائی: ۴/ ۱۳) میں صراحت کی کہ یہ صحیح المعنی ہے۔ لیکن اس کی سند میں کلام کیا اور اس حدیث کی اعمش سے ایک اور سند ہے۔
اس کو عقیلی (الضعفاء ۴/ ۱۳۷)
بیہقی نے (حیاۃ الانبیاء ، ۱۵)
بیہقی (شعب الایمان : ۲/ ۲۱۸)
خطیب نے (تاریخ بغدادی : ۳/ ۲۹۱ - ۲۹۲)

(اس کے مخالف صحیح روایت موجود ہے جس کو طبرانی نے المعجم الکبیر میں سند صحیح سے نقل کیا ہے تفصیل العقیدہ الصحیحہ فی شرح حیاۃ الانبیاء میں ملاحظہ فرمائیں۔)

ابن جوزی نے (الموضوعات: ۱/۳۰۳) وغیرہم نے روایت کیا۔

یہ اس طریق میں محمد بن مرداں السدی عن الاعمش عن ابی صالح عن ابی ہریرہ مرفوعًا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اس سند میں محمد بن مروان السدی متروک الحدیث اور کذاب ہے۔

امام عقیلی نے (الضعفاء) میں کہا۔ کہ اس حدیث کی اعمش سے کوئی اصل نہیں اور نہ یہ محفوظ ہے اور نہ ہی اس کی کوئی متابعت ہے مگر وہ اس سے بھی گئی گزری ہے۔

ابن کثیر نے (تفسیر القرآن ۲/۴۶۶) میں کہا

اس کی سند میں نظر ہے اس میں محمد بن مروان السدی الصغیر منفرد ہے اور متروک ہے۔

ابن کثیر نے جو یہ کہا تو یہ صرف اس سند کے بارے میں کہا ہے پس ابن جوزی اور ان کے متبعین اس کو موضوع کہا ہے تو وہ بھی صرف اسی سند کے بارے میں کہا ہے پس وہ سند جس کو امام ابو الشیخ نے (کتاب الثواب) میں روایت کیا وہ جید الاسناد ہے جیسا کہ حافظ ابن حجر نے صراحت کی ہے۔

اور ابن تیمیہ کا اس بارے میں قول مختلف ہے اس نے (فتاوی ۲۷/ ۲۴۱) میں اس پر موضوع ہونے کا حکم لگایا لیکن ایک اپنے رسالہ جو کہ زیارت کے متعلق ہے (صفحہ ۱۷) میں کہا کہ اس کی سند کمزور ہے۔

اور (الرد علی الاخنائی (۱۳۴) میں کہا۔

اگرچہ اس کا معنیٰ صحیح ہے اس کی سند ایسی ہے کہ جس سے احتجاج درست نہیں ہے۔ اور تو خبردار رہے کہ اس پر وضع کا حکم صرف اس سند پر ہے جس میں السدی الصغیر ہے اور تعجب در تعجب ابنِ عبدالہادی پر ہے کہ وہ تشدد کی حد ہی توڑ گیا ہے۔ اس نے (الصارم) میں کہا کہ اس روایت کو بعض نے ابومعاویہ عن الاعمش کے طریق سے روایت کیا ہے اور یہ خطا فاحش ہے کیونکہ اس میں محمد بن مروان السدی منفرد ہے اور وہ متروک الحدیث ہے اور متہم بالکذب ہے اور تعجب کی وجہ یہ ہے کہ۔ ابن عبدالہادی نے محمد بن مروان کی روایت کو محفوظ سمجھا وہ جیسی بھی ہے وہ ابوالشیخ کی سند پر واقف ہوا یا کہ نہیں! وہ کوئی ایسی بات نہیں لایا کہ جس سے اس کا دعویٰ قائم رہ سکے اور نہ ہی وہ اس دعویٰ کی بنیاد مضبوط رکھ سکا۔

اور محمد بن مروان السدی اس میں منفرد بھی نہیں ہے جیسا کہ عقیلی کا کلام اس طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور جیسا کہ ابوالشیخ الاصبہانی کی روایت سے معلوم ہوا ہے لیکن ابن عبدالہادی اپنے شیخ ابن تیمیہ کی مخالفت نہیں کرنا چاہتا۔

حاصل کلام یہ کہ اس حدیث کی سند جید ہے۔ اور جس نے اس پر وضع کا حکم لگایا تو یہ ابوالشیخ کی روایت پر واقف نہ ہونے کی بنا پر لگایا ہے۔

سولھویں حدیث

مَا مِنْ اَحَدٍ یُسَلِّمُ عَلَیَّ　　کوئی بھی مسلمان حبیب مجھ پر درود و سلام

رَدَّ اللہ عَلَیَّ رُوحی حتیٰ | پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ میری رُوح
اَرُدَّ علیہ | کو میری طرف لوٹا دیتا ہے حتیٰ کہ
میں اسکے سلام کا جواب دیتا ہوں۔

تخریج حدیث:

مسند	امام احمد	۲/ ۵۲۷
سنن	ابوداؤد	۲/ ۲۹۳
سنن الکبریٰ	امام بیہقی	۵/ ۲۴۵
حیاۃ الانبیاء	"	
شعب الایمان	"	۲/ ۲۱۷
اخبار اصبہان	امام ابونعیم	۲/ ۳۹۳

(سند حدیث)
عن ابی صخر حمید بن زیاد عن یزید بن عبداللہ ابن قسیط عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال:۔

ابوصخر حمید بن زیاد کے بارے امام احمد و ابن معین فرماتے ہیں۔ کہ اس کے ساتھ کوئی حرج نہیں امام دارقطنی و ابن حبان نے اس کی توثیق بیان کی۔
امام بغوی فرماتے ہیں۔

اس حدیث کی مزید تحقیق کے لیے: العقیدہ الصحیحہ ملاحظہ فرمائیں۔ مترجم۔

مدنی صالح الحدیث : مدنی ہے اور صالح الحدیث ہے۔

ابن عدی نے فرمایا۔

وھو عندی صالح الحدیث میرے نزدیک یہ صالح الحدیث ہے

ابن معین نے ایک روایت میں اس کی تضعیف بیان کی جیساکہ امام نسائی نے اسکو ضعیف کہا۔

ابن شاہین نے اس کو ثقہ کہا

امام ذہبی نے اس کو، من تکلم فیه وھو موثق (۳۷) (کہ جن میں کلام کیا گیا ہے حالانکہ وہ ثقہ ہیں) میں بیان کیا پھر اس کی توثیق ایسے علمائے کرام سے بیان کی کہ جن کی توثیق کے قبول کرنے پر ائمہ متفق ہیں اور اس کے مقتضیٰ پر عمل کرتے ہیں۔ اس سے امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت لی ہے!

کم ازکم یہ راوی حسن الحدیث ہے۔ لہٰذا ابن عبدالھادی کے شر کی طرف التفات ہی نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ تو راوی کے نام اور کنیت میں اختلاف کو بھی راوی کی حدیث کو رد کرنے کا سبب بتلا دیتا ہے۔ اور اگر راوی کے اسم اور کنیت میں اختلاف راوی کے ضعف کا سبب مانا جائے تو رواۃ کی تضعیف کا ایک نیا باب کھل جائے گا۔

پس یہاں عقل مندوں کو یہی کہنا چاہیئے۔ اللہ تعالےٰ حدیث اور علوم حدیث پر رحمت فرمائے۔ کتنے ہی راوی ہیں کہ ان کے نام اور کنیت میں اختلاف ہے مگر وہ ثقہ ہیں اور کتنے راوی ہیں جن کے نام اور کنیت میں اتفاق ہے مگر وہ ضعیف ہیں اور یزید بن عبداللہ بن قسیط سے تو محدثین کی ایک پوری جماعت نے احتجاج کیا ہے اور امام

نسائی، ابن حبان اور ابن عبدالبر نے اس کو ثقہ کہا ہے اور امام بن معین نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں پس یہ حدیث حسن الاسناد ہے۔

سترھویں حدیث

عن محمد بن اسحاق عن سعید بن ابی سعید المقبری عن عطاء مولی أم حبیبة قال: سمعت ابا هریرة یقول: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لیهبطن عیسی بن مریم حکماء علا لاً واماما مقسطٌ، ولیسلکن فجاً حاجا أو معتمرٌ اوعدبنیتهما ولیأتین قبری حتی یسلم علیّ ولأردن علیه

(مستدرت امام حاکم: ۵۹۵/۲)

امام حاکم نے فرمایا :- یہ حدیث صحیح الاسناد اور اس سیاق کے ساتھ اس کو امام بخاری و مسلم نے اس کو اپنی کتابوں میں نہیں لیا اور ذہبی نے اس کو قائم رکھا۔ اس حدیث کی اور وجہ (مسند) بھی ہے اور اس وجہ کو امام ابو زرعہ رازی نے (العلل حدیث نمبر ۲۷۴۷) میں ترجیح دی اور یہاں محمد بن اسحاق کے سماع کی عدم تصریح نقصان دہ نہیں ہے۔

اٹھارویں حدیث

لا تشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد: المسجد الحرام والمسجد الأقصی، مسجدی هذا"

نہ کجاوے کسو سوائے تین مساجد کے مسجد حرام ۔ مسجد اقصیٰ اور میری یہ مسجد

یہ حدیث صحیح ہے اور اس کے متعدد طریق ہیں۔ اس کو روایت کرنے والے صحابہ کرام :-

حضرت ابوسعید الخدری ۔ حضرت ابوہریرۃ حضرت جابر بن عبداللہ
حضرت عبداللہ بن عمر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص حضرت علی بن ابی طالب
حضرت ابوالجعد الضمیری حضرت مقدام بن معدی کرب حضرت ابوامامہ
حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہم

حضرت ابوسعید الخدری سے روایت

امام بخاری ۶۳/۳ (مسلم ۹۷۶/۲) ترمذی : ۱۲۸/۲، اور کہا حسن صحیح ہے ابن ماجہ ۴۵۲/۱ - احمد ۳۴/۳، ۴۵، ۵۱ - ابویعلی ۳۳۸/۲ ، حمیدی ۳۳۰/۲ ابن ابی شیبہ ۲۷۴/۲ ابن حبان ۳/ ۷، مشکل الآثار ۲۴۲/۱ بیہقی السنن الکبریٰ ۸۲/۱۰ - ابوالشیخ فی طبقات المحدثین باصبھان ۲۲۱/۲ ابونعیم فی ذکر اخبار اصبھان ۸۵/۱ - الطبرانی فی المعجم الاوسط ۱۰۳/۳ - خطیب فی تاریخ بغدادی ۱۱/ ۹۵ الواسطی فی فضائل بیت المقدس ۶ - والبغوی شرح السنۃ ۳۳۶/۲ - وغیرہم نے عن قزعۃ بن یحییٰ عن ابی سعید الخدری بہ مرفوعاً۔

امام بخاری وغیرہ کے الفاظ یہ ہیں !

لا تسافر المرأۃ مسیرۃ یومین	کوئی عورت سوائے اپنے خاوند یا محرم
الا ومعھا زوجھا او ذو محرم	کے دو دن کا سفر نہ کرے ! اور دو روز
ولا صوم فی یومین :	کے یعنی عید الفطر اور عید الضحیٰ کے
الفطر والاضحی ، ولا	روزے نہ رکھے اور صبح کے بعد سورج ہونے

صلوۃ بعد الصبح حتی تطلع الشمس

ولا بعد العصر حتی تغرب

ولا تشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد مسجد الحرام ومسجد الأقصیٰ ومسجدی ھذا :

تک اور عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک نماز نہ پڑھے اور تین مساجد مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور میری اس مسجد کے سوا کسی طرف کجاوے نہ کسے۔

اس حدیث حضرت ابو سعید الخدری کا دوسرا طریق بھی ہے جس کو امام احمد نے مسند ۳/ ۵۳) اور ابن الجوزی نے فضائل القدس ۱۹۶ میں مجالد بن سعید عن ابی الوداک عن ابی سعید الخدری سے مرفوعاً بیان کیا ہے !

اور تیسرا طریق جس کو امام طبرانی نے (المعجم الاوسط ۲/ ل ۲/ ۲) میں عطیہ العوفی عن ابی سعید الخدری سے روایت کیا۔

اور چوتھا طریق اس کو امام عبد بن حمید نے (المنتخب من المسند (رقم ۹۴۹ ص ۱۸۰) اور تمام نے اپنے فوائد (الروض البسام ۱/ ۳۰۰) میں ابو ہارون عمارہ بن جوین العبدی نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کیا۔

عمارہ بن جوین شدید ضعیف ہے حافظ ابن حجر نے اس کے بارے التقریب میں کہا - متروک -

اور ان میں سے بعض طرق کو امام ابو یعلی. الموصلی نے (مسند ابی یعلی ۲/ ۲/ ۳۷) میں بیان فرمایا -

اور پانچویں طریق اس کو امام احمد نے (مسند: ۳/ ۷) میں عکرمہ مولی زیاد عن ابی سعید الخدری سے مرفوعًا بیان کیا۔

اور چھٹا طریق اس کو احمد نے روایت کیا (مسند ۳/ ٦٤، ۹۳) میں اور ابو یعلی نے اپنی (مسند ۲/ ۴۸۹) میں اسی سند کے ساتھ لیث و عبد الحمید بن بھرام عن شہر بن حوشب نے کہا: میں اور دیگر آدمی عمرہ پر گئے پس ہم ابو سعید الخدری کے پاس سے گزرے تو انہوں نے پوچھا۔ کہاں کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا۔ طور کا آپ نے فرمایا۔ طور کیا ہے؟ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا آپ نے فرمایا۔ کوئی مسافر کسی مسجد کی طرف اللہ کا ذکر کرنے کے لیے سامان سفر نہ باندھے سوائے تین مساجد کے مسجد حرام و مسجد اقصیٰ اور مسجد مدینہ (الحدیث) اس میں شہر بن حوشب نے یہ زیارت نقل کی۔ کسی مسجد میں ذکر کرنے کے لیے اور اس میں نماز پڑھنے کے لیے:۔

اس زیادۃ کے قبول و رد میں فقہا و محدثین میں کافی کلام ہے جن محدثین نے قبول کیا ہے ان میں سے حافظ ابن حجر نے (الفتح ۳/ ٦۵) میں کہا۔

اور اس چیز کے موید وہ روایت ہے جس کو امام احمد نے شہر بن حوشب سے روایت کیا کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری سے سنا اور میں نے ان کے پاس مسجد طور میں نماز پڑھنے کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا ینبغی للمصلی ان یشد	کسی نمازی کے لیے یہ مناسب
رحالہ الی مسجد تبتغی	نہیں کہ وہ سامان سفر باندھے
فیہ الصلاۃ غیر مسجد	تاکہ اس میں نماز پڑھے سوائے

الحرام والمسجد الاقصیٰ   مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ اور

ومسجدی۔   اور میری مسجد کے۔

اور شہر بن حوشب، حسن الحدیث ہے اگرچہ اس میں کچھ ضعف ہے
پس یہ قول اس فن کے شیخ کا ہے جس کا علم بے مثال ہے پس
اے آنکھوں والے اس میں غور و فکر کر کہ اس نے شہر بن حوشب کی حدیث
پر اور حدیث کی شرح کی مراد پر کیسے اعتماد کیا ہے!

ان الفاظ کے ساتھ شہر بن حوشب کا منفرد ہونا ان کو ساقط اور رد
نہیں کیا جائے گا۔ پس یہ شخص حسن الحدیث ہے جیسا کہ حافظ نے بیان
فرمایا اور کئی حفاظ حدیث نے اس کی روایت کو قبول کیا ہے!

حافظ ابن صلاح نے صیانۃ صحیح مسلم کے ص ۱۲۲ پر اسی طرف میلان کا
اظہار کیا ہے حافظ ذہبی نے سیر النبلاء (۴/۳۷۸) میں کہا اس کے ساتھ احتجاج
کو ترجیح ہے، ذہبی نے "الجزء فی من تکلم فیہ وھو موثق ص ۱۰۱ میں بھی
ان پر جرح نہیں کی اگر زیادہ شدت بھی اختیار کی جائے جن الفاظ کے ساتھ شہر
بن حوشب منفرد ہیں تو یہ کبار علماء تابعین میں سے کسی سے حدیث کی تفسیر
اور روایت بالمعنی ہے۔

اھم نوٹ:۔

البانی نے شہر بن حوشب کے ان منفرد الفاظ کو بالکل ساقط قرار دیتے
ہوئے (ارواء ۳/۲۳۰) میں کہا، حوشب کے الفاظ "الی مسجد" حدیث میں
ایسا اضافہ ہے جس کی ابو سعید اور دیگر راویوں سے مروی حدیث میں کوئی اصل
نہیں یہ اضافہ منکر بلکہ باطل ہے اور اس کا سبب یا تو شہر ہے وہ صاحب
سوء حفظ ہے یا عبدالحمید ابن بہرام ہے کیونکہ اس میں کلام ہے میرے
نزدیک یہی مختار ہے، اسے لیث نے شہر سے اس اضافہ کے بغیر روایت

کیا ہے۔

میں کہتا ہوں البانی کا کلام محلِ نظر ہے۔

۱۔ شہر کے تفرد یا اضافہ کو یہ کہنا اس کی اصل نہیں درست نہیں اور اس پر بطلان کا اطلاق کرنا اور اس کا سبب شہر کو قرار دینا یہ بھی صحیح نہیں کیونکہ شہر نے امام مالک، شعبہ، سفیان وغیرہ کی کبھی مخالفت نہیں کی اور جس میں کی اسکے ہاں وہ قطعی ہے پھر آدمی کی حدیث سے یا تو احتجاج کیا جاتا ہے یا تائید حاصل کی جاتی ہے تو اسے کبھی بھی آفت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

علاوہ ازیں شہر کے اس تفرد کو تمام فقہاء و محدثین نے قبول کیا ہے۔

۲۔ ہاں عبد الحمید بن بہرام میں کلام ہے لیکن اس کا شہر بن حوشب سے حدیث بیان کرنا مقبول ہے جیسا کہ اس پر متعدد حفاظ حدیث نے تصریح کی ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں شہر سے اس کی احادیث متقارب ہیں، امام ابن ابی حاتم اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ عبد الحمید، شہر کے حوالے سے اسی طرح ہے جیسے لیث سعید المقبری سے ہے میں نے کہا آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ فرمایا ان کی شہر سے صحاح احادیث میں کوئی حرج نہیں، شہر سے مروی احادیث اس سے احسن میرے علم میں نہیں، شیخ احمد بن صالح مصری کہتے ہیں عبد الحمید بن بہرام ثقہ ہیں مجھے ان کی وہ احادیث پسند ہیں جو صحاح شہر سے ہیں۔

مذکورہ گفتگو کی بنا پر عاقل ناقد کے لیے ایسی حدیث کو ضعیف قرار دینا درست نہیں جو شہر بن حوشب سے عبد الحمید بن بہرام نے روایت کی، جو ایسا کرے گا اس کا سبب قلت مطالعہ محض تعصب ہو گا۔

۳۔ البانی کا کہنا اسے لیث نے شہر سے یقیناً بغیر اضافہ کے روایت کیا۔

میں کہتا ہوں مذکورہ اضافہ لیث نے شہر بن حوشب سے مسند ابو یعلی۔

(۲/۴۸۹) میں سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے، تو البانی کو یقین کے بجائے احتمال کہنا چاہیئے تھا،

اہل علم وسمجھ کے لئے اس قدر گفتگو ہی کافی ہے۔

حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

اور حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت کی تخریج :۔

بخاری	(الفتح ۲/۶۳)	مسلم	(۲/۱۰۱۴)
عبدالرزاق	۵/۱۳۲	مسند حمیدی	۲/۴۲۱
مسند امام احمد	۲/۲۳۴، ۲۳۸ و/۵۰۱	سنن الدارمی	۱/۲۷۲
ابوداؤد	۲/۵۲۸	نسائی	۲/۳۷
ابن ماجہ	۱/۴۵۲	مسند ابویعلی	۹/۲۸۳
السنن الکبری بیہقی	۵/۲۴۴	خطیب فی تاریخ بغداد	۹/۲۲۲
الشرح السنۃ للبغوی	۲/۳۳۷		

ان تمام نے متعدد طرق سے اس کو حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔

اور طبرانی نے (المعجم الاوسط ۲/ل ۱۱/۱) میں حضرت ابوہریرہ سے ایک منکر حدیث خثیم بن مروان عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

"لا تشد الرحال الا الی	سامان سفر نہ باندھا جائے مگر
ثلاثۃ مساجد مسجد	تین مساجد کیلئے مسجد خیف و
الخیف ومسجد الحرام	مسجد حرام ومیری یہ مسجد۔
ومسجدی ھذا"۔	

امام طبرانی نے فرمایا : مسجد خیف کا ذکر سوائے اس حدیث کے کسی اور حدیث میں نہیں آیا۔

میں کہتا ہوں ۔ اس میں ضعف و انقطاع ہے!

امام بخاری نے (التاریخ الکبیر ۳/۲۱۰) کہا مسجد خیف کا کوئی متابع نہیں ہے اور خیثم کا ابوہریرہ سے سماع معروف نہیں ہے۔

خیثم بن مروان کا ذکر ابن الجارود نے ضعفا میں کیا ہے عقیلی نے کہا۔ اس حدیث پر اس کا متابع کوئی نہیں ہے اور یہ اس حدیث کے بغیر نہیں پہچانا گیا۔ ابن حبان نے اس کی توثیق کی ہے۔

حاصل کلام یہ کہ یہ الفاظ مسجد الخیف ۔ منکر ہیں اور ان کے ساتھ خیثم متفرد ہے اور وہ ضعیف ہے اور اس نے ابوہریرہ سے نہیں سنا۔

حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ

اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی تخریج کی۔

مسند امام احمد : ۳/۳۵۰

السنن الکبری للنسائی (تحفۃ الاحوذی : ۲/۳۴۱) عبد بن حمید (المنتخب ص ۱۹۷ رقم ۱۰۹۷)

مسند ابی یعلی : ۴/۱۸۲ - ۱۸۳) صحیح ابن حبان : ۴/۹۵

المعجم الاوسط للطبرانی ا/۱۵۴ الحضرمی تاریخ علماء مصر ۱۰۷

قاسم بن قطلوبغا (عوالی اللیث ۳۵)

ان تمام نے اس سند سے اس کو روایت کی۔

عن الليث بن سعد عن ابی الزبیر عن جابر به مرفوعاً۔

امام طبرانی "المعجم الاوسط" میں کہا اس حدیث کو لیث سے علاء بن موسیٰ کے سوا کسی اور نے روایت نہیں کی۔

امام طبرانی کے اس قول میں نظر ہے۔

کیونکہ مسند میں علاء بن موسیٰ کی متابعت کی یونس بن محمد المؤدب اور قتیبہ بن سعید نے اس کی متابعت السنن الکبریٰ میں کی اور عیسیٰ بن یونس نے صحیح ابن حبان میں اور احمد بن یونس نے "المنتخب من مسند عبد بن حمید میں اور الحضرمی نے تاریخ مصر اور کامل الجحدری نے مسند ابی ابی لیعلی میں متابعت کی۔

پس اس کی سند صحیح ہے چاہے علاء بن موسیٰ اس میں متفرد ہو یا اس کے متابع ہوں۔

اور لیث بن سعد بھی ابو الزبیر سے متفرد نہیں ہے۔

میرے علم کے مطابق اس کے دو متابع ہیں۔

پہلی متابعت ابن لھیعۃ۔ اس متابعت کو امام احمد نے (مسند ۳/۲۳۶) میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

ثنا حسن، ثنا ابی لھیعہ۔ ثنا ابو الزبیر عن جابر قال: قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: خیر مارکبت الیہ الرواحل مسجد ابراھیم علیہ السلام ومسجدی

سب سے بہتر کہ سوار کے لیے کجاوے کسے وہ مسجد ابراہیم علیہ السلام اور

میری مسجد ہے!

حسن وہ ابن موسیٰ، الاشیب ہے یہ ثقہ ہے اور محدثین کی جماعت نے اس سے احتجاج کیا ہے!

اور عبداللہ بن لھیعۃ مدلس ہے اور کتابیں جل جانے کے بعد اس کو اختلاط ہو گیا تھا اور اس نے سماع کی صراحت کی ہے! دوسری متابعت اس متابعت کو امام بزار نے (کشف الاستار من زوائد البزار: ۴/۲) اور امام طحاوی نے (مشکل الآثار: ۱/۲۴۱) دونوں نے۔

عبدالعزیز بن عبداللہ الاویسی المدنی عن عبدالرحمٰن بن ابی الزناد عن موسیٰ بن عقبہ عن ابی الذبیر عن جابر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: خیر ما رکبت الیہ الرواحل مسجد ابراہیم علیہ السلام و مسجد محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سب سے بہتر کہ جس کیطرف سوار کجاوے کسے وہ مسجد ابراہیم اور مسجد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

یہ سند صحیح ہے۔

عبدالرحمٰن بن ابی الزناد اس میں صرف غیر مدنیین سے روایت میں کلام کیا گیا ہے۔ اور اس سے راوی مدنی ثقہ ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث

اس کو ابن حبان نے (الثقات ۵۹/۸، ۴) اور طبرانی نے (مسند الشامیین حدیث نمبر ۱۵۳۸) اور عقیلی نے (الضعفاء: ۲۵۹/۲) اور ضیاء المقدسی نے (فضائل بیت المقدس حدیث نمبر ۵)

ان تمام نے متعدد طریقوں سے

عن علی بن یونس البلخی العابد عن هشام بن الغاز، عن نافع عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا تشد المطایا الا الی ثلاثۃ مساجد مسجد الحرام ومسجد ھذا؟ والمسجد الاقصیٰ۔

مسافر سامان نہ باندھیں مگر تین مساجد کے لیے مسجد حرام اور یہ مسجد اور مسجد اقصیٰ۔

علی بن یونس البلخی اس کو امام عقیلی نے (الضعفاء: ۳/۲۵۶) ذکر کرتے ہوئے کہا۔

لا یتابع علی حدیث۔ اس کے حدیث پر کوئی متابع نہیں ہے،

ابن ابی حاتم نے اس بارے میں سکوت کیا اور ابن حبان نے اسکو ثقہ کہا اس سے ایک جماعت نے روایت لی ہے۔

اس کا ایک طریق ہے جو ان الفاظ سے ہے۔

لا تشد الرحال الا الی	نہ سامان سفر باندھا جائے مگر
ثلاثۃ مساجد: مسجد	تین مساجد کی طرف۔ مسجد حرام۔
الحرام، مسجد المدینۃ	مسجد مدینہ! اور مسجد اقصیٰ۔

ومسجد بیت المقدس۔

اسمیں طبرانی کا شیخ احمد بن محمد بن رشدین اس میں کلام مشہور اور بعض نے مبالغہ کیا اور اسے کذاب کہا ہے! لیکن یہ حدیث حضرت عبداللہ بن عمر سے موقوف بھی آتی ہے اور اس کی سند مرفوع کے دونوں طریقوں سے نظیف ہے! اس کو امام بخاری نے (التاریخ الکبیر: ۷/۲۰۴) اور

عبدالرزاق نے (المصنف: ۵/۱۳۵) ابن ابی شیبہ (مصنف: ۲/۳۷۳)
عمر بن شبہ نے اخبار المدینہ (کما فی الصارم المنکی ص ۲۴۳)

سفیان بن عیینۃ عن عمرو بن	قزعہ سے روایت ہے کہ
طلق بن حبیب عن قزعۃ	میں نے حضرت ابن عمر سے
قال: سألت ابن عمر آتی	پوچھا۔ طور آؤں فرمایا طور کو چھوڑ
الطور؟ قال دع الطور	اور وہاں نہ جا اور فرمایا کہ نہ کجاوے
ولا تہاد قال: لا تشدوا	کسو مگر تین مساجد کی طرف
الرجال الا الی ثلاثۃ مساجد	

یہ سند صحیح ہے اور اس میں کوئی علت نہیں ہے۔
اور اس کا متابع۔ ورقا ابن عمر سفیان بن عیینۃ عن عمرو بن دینار ہے۔
اس متابعت کو بیہقی نے (شعب الایمان: ۸/۱۰۶) میں بیان کیا ہے!
اور اسی طرح اس کا تابع ابن جریج ہے: اس متابعت کو فاکھی نے
اخبار مکہ (۲/۹۴) اور عبدالرزاق نے (المصنف: ۵/۱۳۱)
ابن عیینہ کے ثقات اور حفاظ اصحاب کی مخالفت احمد بن محمد الازرقی
نے کی اس نے ابن عمر سے مرفوعاً بیان کیا ہے جیسا کہ اس کے حفید
(پوتے کی) (اخبار مکہ ۶۴ - ۶۵) میں ہے۔
پس ازرقی کی روایت تمام ثقات کی مخالفت کی وجہ سے شاذ ہے!
لہذا اس شاذ روایت کی البانی کی طرف سے (احکام الجنائز، ۲۸۷)
میں تصحیح واضح طور پر غلطی اور خطا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی روایت

اس روایت کو ابن ماجہ ۱/ ۵۲ ۴، مشکل الآثار للطحاوی: ۱/ ۲۴۲ مسند الشامیین للطبرانی: ۲/ ۳۰۹)

اخبار مکہ للفاکھی: ۲/ ۹۹ تاریخ للیعقوب بن سفیان الفسوی ۲/ ۲۹۵)

وغیرہم تمام نے اس سند سے روایت کی۔ یزید بن ابی مریم عن قزعۃ بن یحیی عن عبداللہ بن عمرو بہ مرفوعا۔

اور یہ سند صحیح ہے۔

ابن ماجہ طحاوی اور طبرانی (مسند الشامیین) میں عبداللہ بن عمرو کی حضرت ابوسعید الخدری کے ساتھ ملی ہوئی روایت کی۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی روایت

اس کو طبرانی اوسط (۸/ ل-۲۱/ ۲) میں اور (صغیر ۱/ ۱۷۳) میں اور ضیا المقدسی نے (فضائل بیت المقدس (حدیث نمبر ۶) میں بیان کیا۔ امام طبرانی نے، المعجم الصغیر میں کہا۔

حدثنا سلمہ بن ابراھیم بن اسماعیل بن یحیٰی بن سلمہ بن کھیل الحضرمی الکوفی، حدثنی ابی عن ابیہ عن جدہ سلمۃ بن کھیل الحضرمی عن حجیۃ بن عدی عن علی بہ مرفوعا۔

امام طبرانی نے کہا: اس کو سلمہ سے اس کے بیٹے یحیی کے سواء کسی نے روایت نہیں کیا اور اس سے اس کا بیٹا متفرد ہے اور اس غرابت د (علت) کیطرف الضیاء المقدسی نے اشارہ فرمایا ہے۔

لہذا یہ سند سخت ضعیف ہے۔ پس ابراہیم بن اسماعیل بن یحیی بن سلمہ ضعیف ہے اور اس کا باپ اور دادا متروک ہیں!

اور امام ہیثمی نے (المجمع الزوائد: ۴/۳۴۴) میں صرف پہلی علت بیان کرنے پر ہی اکتفاء (اختصار کیا ہے اور کہا اس کو طبرانی نے صغیر اور الاوسط میں روایت کیا ہے اور اس میں ابراہیم بن اسماعیل بن یحیی الکھیلی ہے اور وہ ضعیف ہے!

اور اس حدیث کا متن وہی معروف متن ہے جو حضرت ابوسعید الخدری کی حدیث شریف کا ہے!

حضرت ابوالجعد الضمری کی روایت

اس کو روایت کیا۔

بزار نے (کشف الاستار: ۲/۴: مشکل الآثار للطحاوی: ۱/۴۴۲ المعجم الکبیر للطبرانی: ۲۲/۳۶۶)

فضائل بیت المقدس للضیاء المقدسی (نمبر ۵)

تمام نے عن سعید بن عمرو، ثنا عبثر، عن محمد بن عمرو عن عبیدہ بن سفیان، عن ابی الجعد الضمری کی سند سے مرفوعًا بیان کی۔

اس کے رجال صحیح کے رجال ہے۔

امام ہیثمی نے (المجمع الزوائد: ۴/۴) میں فرمایا۔

اس کو امام طبرانی نے الکبیر اور الاوسط میں روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں اور اس کو بزار نے بھی روایت کیا ہے۔

حضرت واثلہ بن الاسقع کی روایت

اس کو روایت کیا۔

الضیاء المقدسی نے (فضائل بیت المقدس نمبر ۹) میں

ایوب بن مدرك الحنفی عن مكحول عن واثلة بن الاسقع کی سند سے بیان کیا ہے

امام المقدسی نے فرمایا: میں نہیں جانتا کہ میں نے واثلہ سے اس: ایوب بن مدرک کی وجہ سے علاوہ کسی اور وجہ سے روایت لکھی ہو۔ اور یہ ایسا راوی ہے کہ اس میں کلام کیا گیا ہے۔ (انتہی)

ایوب بن مدرک کے بارے ابن معین نے فرمایا۔

لیس بشئی۔ یہ کچھ بھی نہیں (ضعیف) ہے

اور ایک مرتبہ فرمایا

کذاب: یہ کذاب ہے اور امام نسائی اور ابو حاتم نے کہا متروک ہے

ایوب بن مدرک کے ضعف کے ساتھ ساتھ اس سند میں انقطاع بھی ہے کیونکہ ایوب بن مدرک مکحول سے مرسل روایت کرتا ہے۔

(التاریخ الکبیر: ۱/ ۴۲۳)

حضرت مقدام بن معدی کرب اور حضرت ابوامامہ کی روایت

اس کو امام ابو نعیم الأصبہانی نے (الحلیۃ: ۹/ ۳۰۸) میں

حدثنا سليمان، ثنا موسى، ثنا محمد بن المبارك، ثنا اسماعيل بن عياش،

عن زيد بن زرعة عن شريح بن عبيد عن المقدام بن معديكرب وابي امامة

کی سند سے مرفوعاً روایت کی ہے۔

پس اس میں ضعف اور انقطاع ہے۔

ضعف تو موسیٰ بن یحییٰ بن المنذر کی وجہ سے ہے حلیۃ الاولیاء میں محمد بن المبارک الحمصی کے ترجمہ میں ایسے ہی واقع ہے۔

موسیٰ بن عیسیٰ کے بارے میں حافظ ابن حجر نے (لسان : ۶/۱۲۶-۱۲۷) کہا۔

اس سے روایت کی طبرانی نے اور یہ امام طبرانی کے قدیم شیوخ میں سے ہے اس سے امام طبرانی نے ۲۸۰ھ سے پہلے سنا ہے۔ نسائیؒ نے اس کو لکھا اور کہا۔ حمصی سے میں روایت نہیں کرتا وہ کچھ بھی نہیں ہے، انتھی

میں (مصنف) کہتا ہوں۔ المعجم الصغیر میں اس سے ۲۷۸ھ میں سماع واقع ہے۔

اور اس سند میں انقطاع ہے کیونکہ شریح نے ابوامامہ اور المقدام کو نہیں پایا۔

ابن ابی حاتم نے کہا۔ میں نے اپنے باپ سے سُنا وہ کہتے تھے۔ شریح بن عبید الحضرمی نے ابوامامہ کو نہیں پایا اور نہ ہی حارث بن الحارث اور المقدام کو پایا ہے : (المراسیل : ۹۰)

حضرت عمر فاروق کی روایت

اس کو بزار نے مسند البزار، البحر الذخار : ۲/۳۹۱-۲۹۲) میں اس طرح روایت کیا۔

قال : حدثنا یحیی بن محمد بن السکن قال : نا حبان بن هلال واملاہ علینا من کتابہ عن همام عن قتادہ عن ابی العالیۃ

عن ابن عباس عن عمران النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال :

لا تشد الرحال الا الی	نہ کجاوے کسے جائیں مگر
ثلاثۃ مساجد مسجد حرام	ان تین مساجد کی طرف مسجد
ومسجدی ھذا ومسجد	حرام یہ میری مسجد اور مسجد
الاقصیٰ ۔	اقصیٰ ۔

امام بزار نے فرمایا ۔

ہم نہیں جانتے کہ حضرت عمر سے یہ روایت کسی اور سند سے بھی مروی ہے ۔ اور یہ خطا ہے یہ حبان کی کارستانی ہے کیونکہ اس حدیث کو ہمام وغیرہ نے قتادہ عن قزعہ عن ابی سعید کی سند سے بیان کیا ہے ۔

امام ہیثمی نے (المجمع الزوائد : ۴/۴) میں فرمایا ۔

اس کو بزار نے روایت کیا اور اس کے رجال صحیح کے رجال ہیں مگر بزار نے کہا : اس میں حبان بن ہلال نے خطا کی ہے ۔

اور حبان بن ھلال ۔

ثقہ اور ثبت ہے اس کی ثقاہت پر اتفاق ہے لیکن اس حدیث میں ہمام کے شاگردوں نے اس کی مخالفت کی ہے ۔ اس نے اس کو مسند حضرت عمر فاروق میں بیان کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ یہ مسند ابی سعید الخدری سے ہے اور اس طریق سے قتادہ کے شاگردوں نے کئی سندیں روایت کی ہیں ۔

الحمد للہ رب العالمین

۲۸ رمضان المبارک رات ۱۲ بجے بحالت اعتکاف ترجمہ ہوا

تَخْرِيجُ أَحَادِيثِ الزِيَارَةِ

بقلم

محمود سعيد ممدوح
عفا الله تعالى عنه